رجسٹرڈ نمبر ایل 7360

جلد ۳ | فروری ۱۹۶۱ء | عدد ۲

ماہنامہ

میثاق

لاہور

★

زیرِ ادارت

امین احسن اصلاحی

دفتر رسالہ میثاق

رحمان پورہ اچھرہ - لاہور (پاکستان)

قیمت فی پرچہ : ساٹھ پیسے

سالانہ : چھ روپے (بارہ شلنگ)

Monthly MEESAAQ Lahore

ماہنامہ

میثاق

لاہور

جلد ۴ | بابت ماہ فروری ۱۹۶۱ء مطابق شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ | عدد ۲

فہرست مضامین

تذکرہ و تبصرہ	امین احسن اصلاحی	۲
تدبر قرآن		
تفسیر سورہ بقرہ	"	۹
مطالعہ حدیث		
سنت کا تحریری سرمایہ	مولانا عبدالغفار حسن صاحب	۱۹
اجتماعیات و سیاسیات		
اسلام کا شورائی نظام	مولانا سید جلال الدین صاحب انصر عمری	۳۳
مراسلہ و مذاکرہ		
تضاد یا غلط فہمی!	امین احسن اصلاحی	۴۵
سفر حج		
جدہ سے مکہ معظمہ	"	۴۹

ہندوستانی خریداروں کیلیے ترسیل زر کا پتہ
دفتر "الفرقان" کچہری روڈ لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

میثاق کی پچھلی چند اشاعتوں میں اصلاح معاشرہ کی ضرورت و اہمیت پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے بعض حضرات کو یہ شبہ ہوا ہے کہ ہم سارا زور صرف معاشرتی و مذہبی امور کی اصلاح پر صرف کرنا چاہتے ہیں۔ حکومت کی اصلاح کی ضرورت کے ہم قائل نہیں ہیں۔ جن لوگوں کو یہ شبہ پیش آیا ہے ہمارا خیال ہے کہ انھوں نے اس سلسلہ کے ہمارے سارے مضامین غور سے نہیں پڑھے ہیں۔ اگر انھوں نے ہمارے سارے مضامین غور سے پڑھے ہوتے تو انھیں یہ شبہ کبھی پیش نہ آتا۔ ہم یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ لوگ حکومت کے بناؤ بگاڑ سے بالکل ہی بے تعلق ہو کر صرف معاشرتی و اخلاقی حالات کی اصلاح کی جدوجہد تک اپنی کوششوں کو محدود کر دیں بلکہ ہمارا کہنا یہ ہے کہ اصل اور بنیادی کام معاشرہ کی اصلاح ہے۔ حکومت کی اصلاح بھی پیش نظر ہے تو اس کا فطری راستہ یہی ہے کہ ملک کے عوام اور خاص طور پر اس کے ذہین طبقہ کی اصلاح کی جائے۔ معاشرہ کی اصلاح کے بغیر حکومت کی اصلاح کا کوئی جائز اور معقول راستہ ہے ہی نہیں۔

اگر حکومت کی اصلاح سے مراد یہ ہے کہ حکومت کی باگ صالح اور متقی لوگوں کے ہاتھ میں آجائے تو اس کا آئینی اور پر امن راستہ یہی ہو سکتا ہے کہ اس ملک کے عوام کی اکثریت کے اندر اسلامی شعور اس حد تک بیدار ہو جائے کہ وہ اپنی باگ کسی قیمت پر بھی غیر صالح لوگوں کے ہاتھ میں پکڑانے پر راضی نہ ہوں۔ اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ پرامن اور آئینی نہیں ہے۔ اس کے سوا دوسرا راستہ اگر کوئی ہو سکتا ہے تو پھر وہ انقلاب کا

راستہ ہو سکتا ہے یعنی یہ کہ کچھ اچھے لوگ کسی چور دروازے سے ملک کی حکومت پر قبضہ کر لیں لیکن یہ صورت اس وقت اس وجہ سے خارج از بحث ہے کہ نہ تو یہ راستہ امن و سلامتی کا راستہ ہے اور نہ کوئی اس کو اختیار کرنے کا قائل ہے۔ جب یہ راستہ اختیار کرنا نہیں ہے تو پھر غور کیجیے کہ اس ملک کے معاشرہ کو اسلامی بنائے بغیر اس کی حکومت کے نیکوں کی طرف منتقل ہونے کی آخر کیا صورت ہے؟

ہمارے اس سوال کے جواب میں دو باتیں کہی جا سکتی ہیں لیکن یہ دونوں ہی باتیں اس قدر کمزور ہیں کہ کوئی معقول آدمی اس قسم کی کمزور باتوں کا سہارا نہیں لے سکتا۔

ایک بات تو یہ کہی جا سکتی ہے کہ پاکستان کا معاشرہ ایک بنا بنایا اسلامی معاشرہ ہے اس وجہ سے یہاں اس بات کے تمام امکانات موجود ہیں کہ اگر اہل دین کوشش کریں تو اقتدار ان کی طرف منتقل ہو سکتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ایک گروہ کے اندر قیام پاکستان کے ساتھ ہی یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی کہ یہاں ایک بنا بنایا اسلامی معاشرہ موجود ہے۔ چنانچہ اسی مفروضہ پر اس نے انتقال اقتدار کی جدوجہد بھی شروع کر دی تھی لیکن یہ مفروضہ محض ایک مفروضہ ہے جس کو حقیقت سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ پاکستانی معاشرہ اس اعتبار سے تو اسلامی ضرور ہے کہ اس کی ترکیب میں غالب عنصر مسلمانوں کا ہے لیکن یہ اپنے ذہن اور اپنے کردار کے لحاظ سے ایک اسلامی معاشرہ کی خصوصیات سے کوسوں دور ہے۔ اس معاشرہ کے اندر جتنا حصہ عوام کا ہے وہ جذباتی طور پر اسلام سے ہمدردی ضرور رکھتا ہے لیکن اسے اسلام کا کوئی شعور نہیں ہے اس وجہ سے اس کو بڑی آسانی سے گمراہ کیا جا سکتا ہے اور یہ ایک ایسی واضح چیز ہے کہ اس کا تجربہ برسوں سے ہم کر رہے ہیں۔ رہا وہ طبقہ جو پڑھا لکھا ہے تو اس کے متعلق افسوس کے ساتھ یہ بات کہنی پڑتی ہے کہ اس کے اندر عظیم اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو اسلام سے اگر بدگمان نہیں تو اس کے متعلق شکوک و شبہات میں تو ضرور مبتلا ہے۔ صرف ایک اقل قلیل جماعت ایسے لوگوں کی ہے جو شعور کے ساتھ اسلام کو مانتی ہے۔ گنتی کے ان افراد کو سامنے رکھ کر یہ سمجھ لینا کہ یہ معاشرہ ایک اسلامی معاشرہ بن گیا ہے محض ایک طفلانہ خام خیالی ہوگی۔

دوسری بات یہ کہی جا سکتی ہے کہ انتخابات کی راہ سے حصول اقتدار کی جدوجہد ہی اسلامی معاشرہ بنانے کی

جدوجہد ہے۔ اس جدوجہد کے متعلق ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس کو انبیاء علیہم السلام کے طریقۂ کار سے کوئی دُور کی بھی نسبت نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک الکشن بازی کا مروجہ طریقہ شیطان کی ایجاد ہے جو صرف دنیا کے مفسدین ہی کے کام کا ہے۔ دوسرے لوگ اگر اس کو آزمائیں گے تو اگرچہ وہ فرشتوں کی سیرت رکھنے والے ہوں لیکن اس طریقہ کی برکت سے ان سے بھی شیطانوں ہی کے سے کام صادر ہوں گے۔ کوئی شخص ہماری اس بات کو مانے یا نہ مانے لیکن تجربہ گواہ ہے کہ ثقہ سے ثقہ لوگ بھی جب اس حمام میں داخل ہوئے ہیں تو آخر کار انھیں بھی اس کے تقاضوں سے مجبور ہو کر کپڑے اتارنے ہی پڑے ہیں۔

لیکن تھوڑی دیر کے لیے فرض کر لیجیے کہ الکشن کے موجودہ طریقہ کو اگر اچھے لوگ اختیار کریں گے تو اس کو اس کی موجودہ بہت سی برائیوں سے پاک کر لیں گے لیکن یہاں سوال صرف انتخابات کے طریقہ کے جواز اور عدم جواز کا نہیں ہے، اصل سوال یہ ہے کہ اس راہ سے معاشرہ کو اسلامی بنانے میں کس طرح کامیابی ہوگی، بالخصوص جب کہ اس کام میں طریق انبیاء کی پیروی بھی مدنظر ہو ہمارے لیے یہاں اس طریقہ کی خصوصیات کی تفصیل میں جانے کا تو موقع نہیں ہے لیکن اس کے چند پہلوؤں کی طرف ہم اشارہ کریں گے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ جو لوگ اپنے پیش نظر ایک اسلامی معاشرہ کی تشکیل و تعمیر کا نصب العین رکھتے ہیں وہ اپنے مقصد کے انتہائی دشمن ہوں گے اگر وہ اس کے حصول کا ذریعہ انتخابات کے موجودہ طریقہ کو بنائیں گے۔

انبیاء کے طریقۂ کار کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ جس کے پاس بھی جاتے ہیں ہر غرض سے بالاتر ہو کر صرف اس کی اصلاح و ہدایت کے مقصد کو لے کر جاتے ہیں۔ مخاطب کی ہدایت اور نجات کے سوا ان کے ذہن کے کسی گوشہ میں کوئی اور غرض چھپی ہوئی نہیں ہوتی اس وجہ سے ایک بدگمان سے بدگمان مخاطب بھی ان کی بات کو سنتا ہے تو اس بات کو مانے یا نہ مانے لیکن اس کا دل اندر سے اس بات کی شہادت ضرور دیتا ہے کہ جو اللہ کا بندہ اس کو دین و شریعت کی طرف بلا رہا ہے اس کا یہ بلانا بالکل بے غرضانہ ہے۔ غور کیجیے کہ کسی شخص کے بارے میں یہ بے غرضی کا احساس اس کی دعوت کے لیے دلوں کو کتنا نکھارنے والی چیز ہے۔ برعکس اس کے اگر ایک شخص لوگوں کے پاس یہ درخواست لے کر جاتا ہے کہ لوگو، تم مجھے اپنے ووٹ دو، میں تمہارے لیے اسمبلی یا کونسل یا پارلیمنٹ میں جا کر اقامت دین کرنا چاہتا ہوں تو اگرچہ یہ ووٹ مانگنے والا

شخص مخلص ہو، فی الواقع وہ اپنے تصور کے مطابق اقامت دین ہی کے خیال سے اسمبلی یا پارلیمنٹ میں جا رہا ہو لیکن خوش گمان سے خوش گمان آدمی کے دل میں بھی یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ دین کے نام سے محض ووٹ حاصل کرنے کے لیے ایک فریب کاری ہو رہی ہے۔ بالخصوص اس زمانہ میں تو جب کہ ووٹ کا ہر طالب اپنے آپ کو مذہب کے نمائندے ہی کی حیثیت سے لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے اس بات کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہ گیا ہے کہ ایسے اقامت دین کرنے والوں کے ساتھ کسی کو حسن ظن قائم ہو سکے۔ یہاں تک کہ جو لوگ ان کے لیے اپنے ووٹ استعمال بھی کریں گے وہ بھی اس کو دنیا ہی کا ایک کام سمجھ کر کریں گے، ان کا یہ خیال نہیں ہوگا کہ فی الواقع یہ اللہ کا کوئی کام ہے۔

اس کے اندر دوسری بہت بڑی خرابی یہ ہے کہ شروع ہی سے اس کے ساتھ طمع اقتدار کی ایسی آلودگی ہوتی ہے کہ اس کی طرف زیادہ تر وہی لوگ کھنچتے ہیں جن کے اندر عہدوں اور مناصب کی خواہش دبی ہوئی ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت تو صرف ان لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے جن کے اندر آخرت اور خدا کا خوف جاگ اٹھتا ہے اس لیے کہ ان کی دعوت کے اندر دور دور طمع دنیا کا کوئی نشان نہیں ہوتا برعکس اس کے جو اصلاح معاشرہ الکشن کی راہ سے ہوتی ہے اس کے کرتا دھرتا زیادہ تر وہی لوگ بنتے ہیں جو جنت دنیا اور جنت آخرت دونوں کے خواب بیک وقت دیکھتے ہیں اور جو بیک کرشمہ دوکار کے فلسفہ کے قائل ہوتے ہیں۔ ممکن ہے بعض لوگوں کو ہمارے یہ الفاظ کچھ سخت معلوم ہوں لیکن حقیقت کو واضح کرنے کے لیے یہ لکھنے پڑ رہے ہیں کہ جو اسلامی معاشرہ انتخابی سرگرمیوں کے ذریعہ سے بنانے کی کوشش کی جائے گی وہ صحیح اسلامی نقطۂ نظر سے منافقین کے لیے تو ایک زرخیز پرورش گاہ کا کام دے گا لیکن مخلصین کے لیے اس کی آغوش نہایت بے مہر ثابت ہوگی۔ اس طرح کے معاشرہ میں اولیت کا مقام انھی حوصلہ مند نوجوانوں کو حاصل ہوگا جن کی زبانوں پر تو اقامت دین کا نعرہ ہوگا لیکن ان کے ذہنوں میں صرف وزارتوں اور صدارتوں کی کرسیاں ہوں گی بلکہ ہمیں تو یہ اندیشہ ہے کہ وہ منبروں پر سے بڑے دھڑلے سے یہ وعظ کہیں گے کہ قرآن کریم میں یہ جو دعا ہے کہ واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا اس کا مطلب یہی ہے کہ اے خدا ہمیں صدارت و وزارت بخش اور اس سے بڑا اندیشہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان کو یہ بتائے گا کہ یہ دعا انتخابات کے سلسلہ کی نہیں بلکہ ہجرت کے موقع کی ہے تو وہ ایسے شخص پر بدعت رہبانیت کی پھبتی چست کر دیں گے۔

اس طریقہ کی تیسری خرابی جو اس کو انبیاء کے طریقہ کے بالکل متضاد ثابت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس میں معاشرہ کی اسلامی تربیت کا کوئی امکان نہیں ہے۔ جو لوگ ووٹ مانگتے ہیں ان کے پیش نظر ووٹ ہوتے ہیں اگر ان کو ایک شخص کا ووٹ مل گیا تو ان کے نزدیک یہ شخص ان کی پارٹی کا رکن یا ان کے پیش نظر معاشرہ کا ممبر بن گیا۔ اس کے بعد اگر اس کے خیر و شر سے ان کو کوئی دلچسپی ہوتی ہے تو صرف اس حد تک ہوتی ہے کہ پارٹی کے ساتھ اس کی وفاداری اس حد تک باقی رہے کہ جب دوبارہ ضرورت پیش آئے تو اس کے ووٹ حاصل ہو سکیں۔ خود ووٹ دینے والے کو بھی اپنی تربیت کرانے کی کوئی خواہش نہیں ہوتی۔ وہ ووٹ دے کر اپنے آپ کو پارٹی کا محسن سمجھنے لگتا ہے اور اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس کے اس احسان کا معاوضہ پارٹی اس کو اس اقتدار میں یا اس کے ثمرات و فوائد میں کسی نہ کسی نوع سے حصہ دار بنا کر ادا کرے جس کے حاصل ہونے میں اس کی کوششوں کو بھی دخل ہے اور پارٹی کو بہرحال اس کی نازبرداری کرنی پڑتی ہے۔ برعکس اس کے حضرات انبیاء کی کوششوں سے جو معاشرہ وجود میں آتا ہے اس میں داعی اور مدعو دونوں کو اصل لگن جس چیز کی ہوتی ہے وہ تربیت کرنے اور تربیت کرانے کی ہوتی ہے۔ داعیوں کا یہ فرض ہوتا ہے کہ جو اللہ کا بندہ ان کے ساتھ شامل ہو گیا ہے اس کی پوری زندگی کو اس طرح سنوارنے کی کوشش کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پسند کے مطابق بن سکے اور خود یہ شخص بھی چونکہ بالکل بے غرضانہ اپنی اصلاح و تربیت کرانے ہی کے لیے ان کے ساتھ شامل ہوا ہوتا ہے اس وجہ سے وہ خود بھی اصلاح و تربیت کے ہر موقع سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

چوتھی خرابی اس طریقہ کے اندر یہ ہے کہ جو پارٹی انتخابات کے اکھاڑے میں اترتی ہے، دوسری پارٹیاں روز اول ہی سے اس کو کشمکش اقتدار کے میدان میں اپنا حریف سمجھ لیتی ہیں اس وجہ سے ان کے دل اس کی باتوں کی طرف سے بالکل بند ہو جاتے ہیں۔ اس پارٹی کے پاس اچھے سے اچھا پیغام ہو لیکن کوئی پارٹی غیر جانبدار ہو کر اس کی دعوت کو نہیں سنتی بلکہ سب اس کو ایک اسٹنٹ ہی قرار دیتے ہیں۔ ان کے درمیان سازگاری کی فضا کبھی نہیں پیدا ہوتی۔ اگر پیدا ہوتی ہے تو اس کی نوعیت بس یہ ہوتی ہے کہ اقتدار سے محروم پارٹیاں صاحب اقتدار پارٹی کے مقابل میں کبھی کبھی اپنے مشترک محاذ بنا لیا کرتی ہیں اور اس اشتراک کی بنیاد تقسیم منافع بحصہ رسدی کے اصول پر ہوتی ہے۔ ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ اختلاف اور اشتراک کے یہ طریقے اور یہ مقاصد حضرات انبیاء کے طریقہ کار سے کوئی جوڑ نہیں رکھتے۔ وہاں تو جو دعوت ہوتی ہے سب کے لیے یکساں اور عام

ہوتی ہے۔ وہ حق اور باطل کے سوا نہ کسی کے دوست، نہ کسی کے دشمن، نہ کسی کے حریف۔ ان کی بھاگ دوڑ ان چیزوں میں سے کسی چیز کے لیے بھی نہیں ہوتی جن کے لیے اہل دنیا کی بھاگ دوڑ ہوتی ہے اس وجہ سے کسی کے لیے بھی ان کو اپنا حریف سمجھنے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہوتی۔ اگر کوئی ان کو حریف سمجھتا ہے تو محض اپنی حماقت سے سمجھتا ہے ورنہ ان کی دعوت تو وقت کے ارباب اقتدار کے لیے بھی ہمیشہ صرف یہ رہی ہے کہ وہ خدا سے ڈرنے والے اور اس کے احکام و قوانین کے ماننے والے بن جائیں۔ یہ مطالبہ تو انھوں نے ان کے سامنے بھی کبھی نہیں رکھا کہ وہ ان کے لیے اپنی گدیاں اور کرسیاں خالی کر دیں۔

یہاں مقصود اس طریقہ کی خرابیوں کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ بیان کرنا نہیں ہے۔ اس کی خرابیوں کی تو کوئی حد ہی نہیں ہے۔ یہ چند باتوں کی طرف ہم نے صرف اس لیے اشارہ کیا ہے تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ انتخابات کا راستہ حصول اقتدار کا تو بے شک ایک راستہ ہے، جن کو صرف اقتدار مطلوب ہو وہ اس طریقہ کو ضرور آزمائیں لیکن جو لوگ اپنے پیش نظر صرف اقتدار نہ رکھتے ہوں بلکہ اسلام کی دعوت اور ایک صحیح قسم کے اسلامی معاشرہ کا قیام بھی رکھتے ہوں ان کے لیے اس طریقہ کے اختیار کرنے میں کوئی خیر و برکت نہیں ہے۔ وہ اگر اس طریقہ کو اختیار کریں گے تو خود اپنے ہی ہاتھوں اپنے مقصد کو ایسا شدید نقصان پہنچا دیں گے کہ اس کی تلافی تاقیامت نہ ہو سکے گی۔

ہماری اس گذارش کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ دین کی ترقی کے لیے کام کرنے والے انتخابات کے طریقہ کو کبھی ہاتھ لگا ہی نہیں سکتے۔ اگرچہ اس کے موجودہ طریقہ میں بہت سی خرابیاں ہیں جن میں سے بعض خرابیاں اسلامی نقطہ نظر سے بڑی اہمیت رکھتی ہیں تاہم ہمارا یہ خیال کبھی نہیں رہا کہ یہ طریقہ ہی سرے سے ناجائز ہے۔ ہمارا کہنا صرف یہ ہے کہ اسلام کی دعوت اور اسلامی معاشرہ کے قیام کے پہلو سے یہ طریقہ نہ صرف یہ کہ کچھ مفید نہیں بلکہ الٹا سخت مضر ہے۔ جو لوگ اسلامی معاشرہ قائم کرنے کے لیے فکرمند ہوں انھیں اس کے لیے حضرات انبیاء کے طریقہ پر جدوجہد کرنی چاہیے۔ اس طریقہ پر جدوجہد کرنے سے جو معاشرہ وجود میں آتا ہے وہ اسلامی حکومت کے قیام کے لیے خود اپنی راہیں رکھتا ہے جس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب "دعوت دین اور اس کا طریق کار" میں کی ہے۔ اس طرح کے معاشرہ میں اگر انتخابات کے طریقہ کو آزمانا ہی پڑے

تو اس وقت ان مضرتوں کے پیدا ہونے کا امکان نہیں ہے جن کا پیدا ہونا آج ایک امر قطعی ہے۔ ایک بگڑے ہوئے ماحول کے اندر اگر اچھے لوگ بھی ایک برے طریقے کو آزمانا چاہیں تو ماحول اور طریقہ کی برائیاں دونوں مل کر اچھے سے اچھے لوگوں کو بھی مجبور کر دیتی ہیں کہ وہ قدم قدم پر برائیوں کے آگے سر تسلیم خم کریں۔ برعکس اس کے اگر ماحول تبدیل ہو جائے اور اس کے اندر اچھے لوگوں کو کسی غلط طریقہ کار کو آزمانے پر مجبوری ہونا پڑے تو ماحول کی تبدیلی غلط طریقہ کار کے بہت سے مفاسد سے آدمی کو بچا لیتی ہے۔

معاشرہ کی اصلاح کے سلسلہ میں اس وقت جو کام کیے جانے ضروری ہیں ان پر ان صفحات میں ہم بار بار توجہ دلا چکے ہیں۔ اس وقت اگر ایک طرف اس بات کی ضرورت ہے کہ ملک کے عوام کے روز افزوں اخلاقی اور مذہبی انحطاط کو روکا جائے تو دوسری طرف اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ملک کے ذہین طبقہ کی فکری اصلاح کی جائے۔ وہ فکر و فلسفہ جس پر وقت کا سیاسی، سماجی اور اخلاقی نظام قائم ہوتا ہے وقت کے ذہین طبقہ اور ارباب قیادت کے پاس ہوتا ہے اس وجہ سے قدرتی طور پر یہ فکری کشمکش انہی کے ساتھ ہوتی ہے لیکن یہ فکری کشمکش ہوتی ہے اقتدار کی کشمکش نہیں ہوتی۔ اگر اس فکری اصلاح کی جدوجہد سے ذہین طبقہ متاثر ہو جاتا ہے تو سیاسی اور تمدنی اصلاح کی راہیں خود بخود کھلنی شروع ہو جاتی ہیں۔ اصلاح کا یہ راستہ خیر و برکت کا راستہ ہے اور اسی کو حضرات انبیاء علیہم السلام نے اختیار فرمایا ہے اور اسی کی طرف ہم دعوت دے رہے ہیں۔

عائلی کمیشن کی رپورٹ پر تبصرہ

اسلام کے ازدواجی مسائل پر مولانا امین احسن اصلاحی کی معرکۃ الآرا تصنیف ۲۲×۱۸/۸ - ۱۶۸ صفحات - قیمت ۲ روپے ۲۵ پیسے۔

ملنے کا پتہ: مکتبہ میثاق رحمان پورہ - اچھرہ لاہور۔

تدبر قرآن

امین احسن اصلاحی

تفسیر سورۃ البقرہ

(۱۹)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ
بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝٦٣ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ
ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝٦٤
وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِى السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً
خٰسِـِٕيْنَ ۝٦٥ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝٦٦
وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا
اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝٦٧ قَالُوا
ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِىَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا
فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ۝٦٨
قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا
بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ۝٦٩ قَالُوا ادْعُ لَنَا
رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِىَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّاۤ اِنْ شَآءَ
اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ۝٧٠ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ
وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْــٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ
فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝٧١ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ

فِيهَا ۚ وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ ۝ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ
كَذَٰلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ ثُمَّ
قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۚ
وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا
يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۗ
وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ أَفَتَطْمَعُونَ أَن يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ
كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِن بَعْدِ مَا
عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا ۚ
وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ
لِيُحَاجُّوكُم بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ
يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ
إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ۝ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ
بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ
فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ۝ وَقَالُوا
لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا
فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ بَلَىٰ
مَن كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ
هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ
الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ ۸۲

اور یاد کرو جب کہ ہم نے تم سے تمہارا عہد لیا اور اٹھایا تمہارے اوپر طور کو۔ پکڑو اس چیز کو جو ہم نے تم کو دی ہے مضبوطی کے ساتھ اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد رکھو تاکہ تم خدا کے غضب سے محفوظ رہو۔ پھر تم نے اس کے بعد اعراض کیا، تو اگر تم پر اللہ کی عنایت اور اس کی رحمت نہ ہوتی

تو تم نامرادوں میں سے ہو چکے ہوتے۔ اور ان لوگوں کا علم تو تمہیں ہے ہی جنھوں نے سبت کے معاملہ میں حدود الٰہی کی بے حرمتی کی تو ہم نے ان کو دھتکار کر کہا جاؤ، ذلیل بندر بن جاؤ تو ہم نے ان کو نمونۂ عبرت بنا دیا ان لوگوں کے لیے جو ان کے آگے اور پیچھے تھے اور ان کو خدا ترسوں کے لیے نصیحت بنایا۔

اور یاد کرو جب کہ موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو تو وہ بولے کہ کیا تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو۔ اس نے کہا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ جاہلوں میں سے بنوں۔ انھوں نے کہا اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ واضح کرے کہ گائے کیسی ہو؟ اس نے کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ بوڑھی ہو نہ بچھیا، بیچ کی راس ہو۔ تو کرو جو تمہیں حکم دیا جا رہا ہے۔ بولے اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ واضح کرے کہ اس کا رنگ کیا ہو؟ اس نے کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ سنہری ہو، شوخ رنگ، دیکھنے والوں کے لیے دل پسند۔ بولے اپنے رب سے دعا کرو کہ اچھی طرح واضح کر دے کہ وہ کیسی ہو۔ اس لیے کہ گایوں کے امتیاز میں گھپلا ہو رہا ہے۔ اور انشاء اللہ اب ہم پتہ لگا لیں گے۔ اس نے کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ گائے کمیری، زمین کو جوتنے والی اور کھیتوں کو سیراب کرنے والی نہ ہو۔ بالکل یک رنگ ہو، اس میں کسی اور رنگ کی آمیزش نہ ہو۔ بولے اب تم واضح بات لائے۔ پھر انھوں نے ذبح کی اور وہ ذبح کرتے نظر نہ آتے تھے۔

اور یاد کرو جب کہ تم نے ایک نفس کو قتل کر دیا، پھر اس کے بارے میں ایک دوسرے پر الزام بازی کی، حالانکہ اللہ وہ سب کچھ ظاہر کرنے والا ہے جو تم چھپاتے رہے ہو۔ تو ہم نے کہا اس کو اس کے ایک جزو سے مارو۔ اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کرے گا اور تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔ پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے، پس وہ پتھر کے مانند ہو گئے یا ان سے بھی زیادہ سخت۔ پتھروں میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں بعض پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی جاری ہو جاتا ہے اور ان میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو خوف خدا سے گر پڑتے ہیں اور اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔

کیا تم لوگ یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ لوگ تمہاری بات مان لیں گے اور حال یہ ہے کہ ان میں سے ایک گروہ اللہ کے کلام کو سنتا رہا ہے اور اس کو سمجھ چکنے کے بعد اس کی تحریف کرتا رہا ہے اور وہ جانتے ہیں۔ اور جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو ایمان لائے ہوئے ہیں اور جب آپس میں

ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں، کیا تم ان کو وہ باتیں بتاتے ہو جو اللہ نے تم پر کھول ہیں کہ وہ تمہارے رب کے پاس تم سے حجت کریں۔ کیا تم سمجھتے نہیں۔ کیا انہیں نہیں معلوم ہے کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔

اور ان میں اَن پڑھ ہیں جو کتاب الٰہی کو صرف اپنی آرزوؤں کا مجموعہ خیال کرتے ہیں حالانکہ وہ محض اٹکل کے تیر تکے چلاتے ہیں۔ پس ہلاکی ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے شریعت تصنیف کرتے ہیں پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے تاکہ اس کے ذریعے سے تھوڑی سی قیمت حاصل کر لیں۔ پس ان کے لیے ہلاکی ہے اس چیز کے سبب سے جو ان کے ہاتھوں نے لکھی اور ان کے لیے ہلاکی ہے اس چیز کے سبب سے جو وہ کماتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ان کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی مگر صرف گنتی کے چند دن۔ پوچھو کیا تم نے اللہ کے پاس اس کے لیے کوئی عہد کرا لیا ہے کہ اللہ اپنے عہد کی خلاف ورزی نہیں کرے گا یا تم اللہ پر ایک ایسی بات باندھ رہے ہو جس کے بارے میں تمہیں کچھ علم نہیں۔ البتہ جس نے کمائی کوئی بدی اور اس کے گناہ نے اس کو اپنے گھیرے میں لے لیا تو وہی لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جو ایمان لائے اور جنھوں نے بھلے کام کیے تو وہی لوگ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

---

۳۹ - الفاظ اور جملوں کی وضاحت

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ | مُوْثِق اور میثاق کے معنی عہد و پیمان کے ہیں۔ اس لفظ کی روح وثوق اور استحکام ہے اس وجہ سے یہ خاص طور پر اس عہد و پیمان کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کسی اہم معاملہ کے لیے پورے شعور اور پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ باندھا گیا ہو۔ اور جس کی وفاداری کا تاکید کے ساتھ اظہار و اقرار کیا گیا ہو۔ یہاں اس سے مراد وہ عہد ہے جو بنی اسرائیل سے تورات کی پابندی کا لیا گیا۔ شریعت الٰہی خدا اور بندوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اس کو میثاق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سورہ اعراف میں اس میثاق کا حوالہ اس طرح آیا ہے:۔

اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْھِمْ مِّیْثَاقُ الْکِتٰبِ — کیا اُن سے کتاب کے باب میں میثاق نہیں لیا گیا کہ

اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِیْہِ ۭ وَالدَّارُ الْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ یُمَسِّکُوْنَ بِالْکِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ ۭ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ ۝ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَھُمْ کَاَنَّہٗ ظُلَّۃٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّہٗ وَاقِعٌۢ بِھِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ وَّاذْکُرُوْا مَا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

(۱۶۹ - ۱۷۰ اعراف)

اللہ کی طرف نہیں منسوب کریں گے مگر حق بات اور انھوں نے اس کو اچھی طرح پڑھا جو اس میں ہے اور دار آخرت کی کامیابی ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو تقویٰ اختیار کریں، تو کیا تم سمجھتے نہیں۔ اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی کے ساتھ پکڑیں گے اور نماز قائم کریں گے (وہی لوگ مصلح ہیں) ہم مصلحوں کا اجر نہیں ضائع کریں گے۔ اور یاد کرو جب کہ ہم نے ان کے اوپر پہاڑ کو اس طرح اٹھا لیا گویا وہ سائبان ہے اور انھوں نے گمان کیا کہ وہ ان پر گر کر رہے گا۔ تو اس کو جو ہم نے تم کو دیا ہے مضبوطی کے ساتھ اور جو کچھ اس میں ہے اس کو برابر یاد رکھو تاکہ تم خدا کے غضب سے محفوظ رہو۔

یہ معاہدہ قرآن مجید اور تورات دونوں میں تصریح ہے کہ بنی اسرائیل کے سرداروں سے دامن کوہ میں لیا گیا اور جس وقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک سخت زلزلے نے پہاڑ کو ہلا دیا۔ اگر زلزلہ کے وقت آدمی کسی اونچی دیوار کے زیر سایہ یا پہاڑ کے دامن میں بیٹھا ہو تو ایسا معلوم ہوگا کہ پہاڑ یا دیوار سائبان کی طرح سر پر لٹک رہے ہیں اور اوپر گرا چاہتے ہیں۔ اس حالت کو قرآن نے طور کو ان کے سروں پر اٹھا لینے سے تعبیر کیا ہے۔

یہ پہاڑ اُن کے سروں پر لٹکا دینا بنی اسرائیل کو معاہدہ پر مجبور کرنے کے لیے نہیں تھا کہ اگر وہ یہ معاہدہ نہیں کرتے ہیں تو اس پہاڑ سے وہ کچل کر رکھ دیئے جائیں گے۔ معاہدہ کو قبول کرنا یا نہ کرنا ایک امر اختیاری ہے۔ دین کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے زبردستی اور جبر کو پسند نہیں فرمایا ہے یہ جو کچھ ہوا وہ محض اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے جلال کا ایک مظاہرہ تھا تاکہ بنی اسرائیل اس بات کو یاد رکھیں کہ جس خدا کے ساتھ وہ شریک معاہدہ ہو رہے ہیں وہ کوئی کمزور اور بے اختیار ہستی نہیں ہے بلکہ اس کی قدرت بے پناہ ہے معاہدہ کی پابندی کی شکل میں جس طرح دنیا اور آخرت دونوں میں اس کے انعامات کی کوئی حد نہیں ہے، اسی طرح اس کی خلاف ورزی کی صورت میں اس کے غضب کی بھی کوئی حد نہیں ہے، وہ طور جیسے عظیم پہاڑ کو ان کے

سروں پر لٹکا سکتا اور اس سے ان کو کچل کے رکھ دے سکتا ہے۔

خذوا ما اتینٰکم بقوۃ واذکروا مافیہ لعلکم تتقون ،

یعنی اس تورات کو جو تمہارے لیے اللہ کا ایک عظیم عطیہ ہے پوری مضبوطی اور پوری عزیمت کے ساتھ لو اور زندگی کے تمام مراحل میں پورے استقلال اور پوری پامردی کے ساتھ اس کے احکام اور اس کی ہدایات کو نباہو۔ اس کے احکام نرم بھی ہیں اور سخت بھی۔ نیز اس کی ذمہ داری یُسر میں بھی ہے اور عُسر میں بھی اس وجہ سے کمزور ہاتھوں اور ڈھیلے ارادوں کے ساتھ اس کا حق ادا نہیں ہوگا، بلکہ اس کے لیے قوت اور عزیمت مطلوب ہے۔

واذکروا مافیہ ، جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد رکھو ، سے مراد احکام و ہدایات بھی ہیں اور خاص طور پر وہ تنبیہات اور تہدیدات بھی جو اس میثاق کی خلاف ورزی کے نتائج سے متعلق بنی اسرائیل کو سنادی گئی تھیں۔ تورات میں بڑی تفصیل کے ساتھ ان کو آگاہ کر دیا گیا تھا کہ اگر وہ اس عہد پر قائم رہیں گے تو وہ زمین اور آسمان دونوں طرف سے خدا کا فضل پائیں گے اور اگر انھوں نے اس کی ناقدری کی تو دنیا اور آخرت دونوں میں اس کی سزا بھی بڑی ہی سخت ہوگی۔

لعلکم تتقون ، سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ تاکہ تم تقوی اختیار کرو، اس لیے کہ کتاب الٰہی کا اصل مقصد یہی راہ تقوی کی نشان دہی ہوتا ہے لیکن ہم نے موقع کلام اور سیاق و سباق کی روشنی میں اس سے خدا کے قہر و غضب سے بچنا مراد لیا ہے۔ ہمارا ذہن اس طرف اس وجہ سے گیا ہے کہ اس سے پہلے ان کو خاص طور پر جیسا کہ ہم نے عرض کیا ان تنبیہات و تحذیرات کو یاد رکھنے کی نصیحت کی گئی ہے جو تورات میں میثاق الٰہی کی خلاف ورزی کے نتائج سے متعلق ان کو سنائی گئی تھیں اور ان کے سنانے سے مقصود یہی تھا کہ وہ اپنی آئندہ زندگی میں خدا کے قہر و غضب سے محفوظ رہیں۔

ثم تولیتم من بعد ذٰلک ، فلولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لکنتم من الخٰسرین

پھر تم اس کے بعد پھر گئے۔ یہ خطاب ظاہر ہے کہ زمانہ نزول قرآن کے بنی اسرائیل سے ہے درانحالیکہ یہ فعل اعراض ان کے پہلوں سے صادر ہوا تھا اور یہ لوگ اس راہ میں موجد نہیں بلکہ اپنے اگلوں کے مقلد تھے۔ یہ طرز خطاب اس حقیقت کی طرف نہایت بلیغ اشارہ کر رہا ہے کہ اگر اخلاف گمراہی یا ہدایت کے معاملہ میں ٹھیک ٹھیک اپنے اسلاف کے نقش قدم ہی پر چل رہے ہوں تو ان کی تاریخ اور ان کے اسلاف

کی تاریخ گویا ایک ہی ہے۔ اسلاف کے افعال بے تکلف اخلاف کی طرف بھی منسوب ہوں گے۔ اور اخلاف کی گمراہیوں کی تاریخ اسی وقت سے شروع ہوگی جب سے ان کے اسلاف نے اس برائی کی اپنے معاشرے میں طرح ڈالی۔

من بعد ذٰلک کا ترجمہ ہم نے اس کے بعد کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان اور قرآن میں اس اسلوب کے استعمالات سے واضح ہوتا ہے کہ ذٰلک جب اس طرح استعمال ہوتا ہے تو اوپر بیان کی ہوئی پوری سرگزشت کی طرف ایک جامع اشارہ کر دیتا ہے۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ تورات کی پابندی کا میثاق باندھ چکنے، خدا کا جلال دیکھ لینے اور تمام تنبیہات و تہدیدات سے اچھی طرح واقف ہو چکنے کے بعد تمہارے اسلاف نے اس عہد سے منہ موڑا اور تم نے اس معاملہ میں ٹھیک ٹھیک انہی کی روش کی تقلید کی۔

فلولا فضل اللہ علیکم الآیہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمہارے اعمال و افعال تو شروع ہی سے ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دھتکار دیتا لیکن یہ محض اس کا فضل اور اس کی رحمت ہے کہ اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس نے تمہیں آج تک مہلت دی۔ اس کے اس فضل و رحمت کا حق یہ ہے کہ اس کے شکر گزار بنو اور اپنی اس روش کو درست کرو لیکن تم الٹے اپنی اس روش پر فخر کر رہے ہو اور اسی فخر میں مبتلا ہو کر اس آخری موقع کو بھی ضائع کرنا چاہتے ہو جس کے بعد تمہارے لیے اصلاح حال کا کوئی موقع بھی باقی نہیں رہے گا۔

ولقد علمتم الذین اعتدوا منکم فی السبت فقلنا لھم کونوا قردۃ خاسئین ــــ

یہ اس نقض عہد کی ایک مثال ہے جس کا اجمالی ذکر اوپر والی آیت میں ہوا ہے۔ بنی اسرائیل کے لیے سبت (ہفتہ) کا دن عبادت کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ اس دن ان کو کام کاج اور سیر و شکار وغیرہ کی ممانعت تھی۔ لیکن انھوں نے اپنے آپ کو شریعت الٰہی کی ان پابندیوں سے آزاد کرنے کے لیے بہت سے شرعی حیلے ایجاد کر لیے۔ یہاں تک کہ سیر و شکار وغیرہ کی بھی بہت سی راہیں کھول لیں۔ اس آیت میں ان کی اسی قسم کی حرکتوں کی طرف اشارہ ہے اور چونکہ یہ باتیں ان کے درمیان شہرت رکھتی تھیں اس وجہ سے قرآن نے اس کی طرف ایک معلوم و معروف حقیقت کی طرح اشارہ کیا ہے۔

فقلنا لھم کونوا قردۃ خاسئین ، لعنت اور پھٹکار کا جملہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس جرم کی پاداش میں ان لوگوں پر لعنت فرمائی جن لوگوں نے اپنی خواہشات نفس کی پیروی میں سبت کی حرمت

برباد کی۔

اہل تاویل کے درمیان اس امر میں اختلاف ہوا ہے کہ اس لعنت کے نتیجہ میں ان کا ظاہر بھی بندروں کے مشابہ ہوگیا تھا یا یہ مسخ، صرف عقلی اور روحانی مسخ تھا۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ اختلاف کچھ زیادہ اہمیت رکھنے والا اختلاف نہیں ہے۔ انسان اور بندر کے درمیان شکل و صورت کا فرق بہت زیادہ نہیں ہے۔ اصل فرق جو ہے وہ عقل اور ارادہ کا ہے۔ انسان کی اصل خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کی کسی خواہش کو پوری کرتے وقت پہلے یہ دیکھتا ہے کہ اس خواہش کو پورا کرنا جائز بھی ہے یا نہیں اور اگر جائز ہے تو اس کے لیے کیا شرعی اور اخلاقی حدود و قیود ہیں۔ برعکس اس کے بندر کی کسی خواہش اور اس کے فعل کے درمیان اخلاقی حدود و قیود کی کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ جس چیز کو اس کا نفس چاہ بیٹھتا ہے اس کو وہ فوراً کر گزرتا ہے۔ اگر یہی حالت اپنی خواہشات نفس کی پیروی میں کسی انسان کی یا کسی انسانی گروہ کی ہو جائے تو اس کے درمیان اور بندر کے درمیان کوئی معنوی فرق نہیں رہ جاتا ہے صرف ایک ظاہری فرق تھوڑا سا رہ جاتا ہے جو صرف اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک عقل اور اخلاق زوال اپنی آخری حد کو نہیں پہنچ جاتا۔ جب یہ زوال آخری حد کو پہنچ جاتا ہے تو یہ تھوڑا سا ظاہری فرق بھی بالآخر مٹ ہی کے رہتا ہے۔

| فجعلناها نکالا لما بین یدیها وما خلفها وموعظة للمتقین | نکال کے معنی نمونہ عبرت کے ہیں۔ یہاں اشارہ اس بستی کی طرف ہے جس بستی کے لوگوں نے سبت کی حرمت |

برباد کرنے کے لیے وہ ناروا حیلہ بازیاں کی تھیں جن کی طرف اوپر کی آیت میں اشارہ کیا گیا۔ بستیوں اور مقامات کے لیے قرآن مجید میں اس طرح ایک سے زیادہ مقامات میں ضمیریں استعمال ہوئی ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس لعنت کے نتیجہ میں یہ بستی اپنے آگے پیچھے اور گرد و پیش کی بستیوں کے لیے نمونہ عبرت بنا دی گئی جس کو دیکھ کر عقل اور خوف خدا رکھنے والے نصیحت حاصل کر سکتے تھے۔

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بستی سمندر کے کنارے تھی اس سے قیاس ہوتا ہے کہ اس بستی کے لوگ تجارت اور تمدن میں بہت ترقی کر چکے تھے لیکن اس لعنت کی پاداش میں ان کے اوپر ایسا زوال آیا کہ ان کا ظاہر اور باطن سب کچھ مسخ ہو کر رہ گیا اور وہ گرد و پیش کی بستیوں اور آنے والی نسلوں کے لیے ایک داستان عبرت بن کر رہ گئے۔

| واذ قال موسیٰ لقومه الآیة | یہ یہود کے نقض عہد کی دوسری مثال بیان ہوئی ہے اور اس |

مثال کو بیان کرنے کے لیے قرآن نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ ایک ہی بات کو دو حصوں میں ان نے تقسیم کر دیا ہے۔ ایک حصہ اس امر کو واضح کرتا ہے کہ بنی اسرائیل کی ذہنیت شروع ہی سے شریعت الٰہی کے قبول کرنے کے معاملہ میں کیسی حیلہ جویانہ اور فرار پسندانہ رہی ہے اور اس کے دوسرے حصے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ہزار حیلہ و حجت کے بعد جب وہ کسی بات کو قبول بھی کر لیتے رہے ہیں تو اس کی تعمیل بھی صحیح طریقہ پر نہیں کرتے تھے بلکہ اس حکم سے گریز کی راہیں تلاش کرتے تھے۔

اس چیز کو واضح کرنے کے لیے قرآن نے بنی اسرائیل کی تاریخ سے قسامہ کے ایک واقعہ کو منتخب کیا ہے۔ قرآن مجید کے اشارات سے واقعہ کی صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل میں کوئی شخص قتل ہوگیا جس کے قاتلوں کا سراغ نہیں لگتا تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنی شریعت کے قانون کے مطابق اس علاقہ کے لوگوں کو جہاں قتل ہوا تھا، یہ حکم دیا کہ وہ ایک گائے کی قربانی کر کے اس پر قسمیں کھائیں۔ ان لوگوں نے اول تو اس حکم کو ماننے ہی میں ہزار لیت و لعل کیے، گائے کیسی ہو، اس کا رنگ کیسا ہو، عمر کتنی ہو وغیرہ وغیرہ لیکن بہزار دقت کسی طرح گائے ذبح بھی کی تو معلوم ہوتا ہے کہ قسم جھوٹی کھائی۔

یہ بات کہ شریعت موسوی میں قسامہ کا طریقہ موجود تھا کتاب استثنا کی مندرجہ ذیل آیتوں سے ثابت ہے:

"اگر اس ملک میں جسے خداوند تیرا خدا تجھ کو قبضہ کرنے کو دیتا ہے کسی مقتول کی لاش میدان میں پڑی ہوئی ملے اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس کا قاتل کون ہے تو تیرے بزرگ اور قاضی نکل کر اس مقتول کے گرداگرد کے شہروں کے فاصلہ کو ناپیں اور جو شہر اس مقتول کے سب سے نزدیک ہو اس شہر کے بزرگ ایک بچھیا لیں جس سے کبھی کوئی کام نہ لیا گیا ہو اور نہ وہ جوئے میں جوتی گئی ہو۔ اور اس شہر کے بزرگ اس بچھیا کو بہتے پانی کی وادی میں جس میں نہ ہل چلا ہو اور نہ کچھ بویا گیا ہو لے جائیں اور وہاں اس وادی میں اس بچھیا کی گردن توڑ دیں۔ تب بنی لاوی جو کاہن ہیں نزدیک آئیں کیونکہ خداوند تیرے خدا نے ان کو چن لیا ہے کہ خداوند کی خدمت کریں اور اس کے نام سے برکت دیا کریں اور ان ہی کے کہنے کے مطابق ہر جھگڑے اور مار پیٹ کے مقدمہ کا فیصلہ ہوا کرے۔ پھر اس شہر کے سب بزرگ جو اس مقتول کے سب سے نزدیک رہنے والے ہوں اس بچھیا کے اوپر جس کی گردن اس وادی میں توڑی گئی، اپنے اپنے ہاتھ دھوئیں اور یوں کہیں کہ ہمارے ہاتھ سے یہ خون نہیں ہوا اور نہ یہ ہماری آنکھوں کا دیکھا ہوا ہے (استثنا باب ۲۱-۱-۸)

قالوا اتتخذنا ھزوا ۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس حکم کو ایک مذاق تصور کیا۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ قاتل کا سراغ لگانے کے لیے یہ تدبیر بھی کوئی کارگر تدبیر ہو سکتی ہے حالانکہ جب سراغ لگنے کی ساری راہیں بند ہوں وہاں اگر کوئی آخری تدبیر ہو سکتی تھی تو یہی ہو سکتی تھی کہ مقام قتل کے آس پاس کے سربرآوردہ لوگوں کو جمع کرکے ان سے قسمیں لی جائیں اور قسم کو زیادہ سے زیادہ احترام اور تقدس کا رنگ دینے کے لیے یہ قسم قربان کیے ہوئے جانور پر لی جائے۔ معاہدات اور قسموں کے معاملے میں زمانہ قدیم سے یہ رواج رہا ہے کہ یہ عموماً معابد کے سامنے انجام دیے جاتے تھے تاکہ فریقین جھوٹ اور منافقت سے احتراز کریں۔ بعض حالتوں میں یہ طریقہ بھی اختیار کیا جاتا تھا کہ قربانی کے جانور کا خون قسم کھانے والوں پر چھڑک کر ان سے قسم لی جاتی۔ ممکن ہے بنی اسرائیل کے ہاں بھی قسامہ کی صورت میں یہ شکل اختیار کی جاتی رہی ہو اگرچہ اوپر کے حوالے میں اس کا کوئی اشارہ نہیں ملتا ہے۔ مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب امعان فی اقسام القرآن میں اس قسم کی بعض صورتوں کا ذکر کیا ہے۔

قال اعوذ باللہ ان اکون من الجاھلین | جہل کا لفظ علم کے مقابل میں بھی آتا ہے اور علم و دانش کے مقابل میں بھی۔ یہاں یہ حلم کا مقابل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں اس بات سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ اللہ کے دین کے معاملہ میں کوئی ہنسی مسخری کی بات کروں، یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں یہ خدا کا حکم ہے اور اسی میں تمہارے لیے خیر و برکت ہے۔ یہ بات میں نے اپنی طرف سے نہیں گھڑ لی ہے۔

مکتبہ میثاق کی پہلی پیشکش

مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر

تدبر قرآن

تفسیر آیت بسم اللہ و سورہ فاتحہ

اس کتاب کو خود پڑھیے اور اپنے دوستوں کو پڑھنے کے لیے دیجیے تاکہ قرآن مجید کے سمجھنے کا ذوق پیدا ہو۔

— تقطیع ۲۰×۲۶/۸ صفحات ۳۶ ہدیہ ۷۵ پیسے علاوہ محصول ڈاک۔ محصول ڈاک ۱۲ پیسے

ملنے کا پتہ :- مکتبہ میثاق رحمان پورہ اچھرہ لاہور

مطالعہ حدیث

مولانا عبدالغفار حسن صاحب

سنّت کا تحریری سرمایہ

دسمبر کے "میثاق" میں حدیث لا تکتبوا عنی غیر القرآن کی وضاحت کی گئی تھی۔ ذیل کے مقالہ میں حدیث کے جمع و ترتیب کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا جا رہا ہے جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ احادیث نبوی کے گرانقدر ذخائر تیرہ سو سال کے عرصہ میں کن کن مراحل کو طے کرتے ہوئے ہم تک پہنچے ہیں اور وہ کون کون سے پاکباز نفوس تھے جنہوں نے حکمت و ہدایت کے ان بیش بہا خزانوں کو آئندہ نسلوں تک محفوظ شکل میں منتقل کرنے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور اگر موقع آیا تو اس راہ میں جان کی بازی لگا دینے سے بھی گریز نہ کیا۔ (ن-ح)

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم تک تین قابل اعتماد ذرائع سے پہنچی ہیں۔

(۱) تعامل امت (۲) تحریری یادداشتیں اور صحیفے۔ (۳) حافظہ کی مدد سے روایت یعنی سلسلۂ درس و تدریس۔

اس لحاظ سے جمع و ترتیب اور تصنیف و تالیف کے پورے زمانے کو چار ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(۱) عہد نبوی سے پہلی صدی ہجری کے خاتمہ تک۔

اس دور کے جامعین حدیث اور قلم بند کی ہوئی یادداشتوں اور مجموعوں کی تفصیل یہ ہے:-

مشہور حافظین حدیث :- (۱) حضرت ابوہریرہ (عبدالرحمٰن) وفات ۵۹ھ ہجری بعمر سال تعداد روایات ۵۳۷۴، ان کے شاگردوں کی تعداد ۸۰۰ تک پہنچتی ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ، وفات ۶۸ھ بعمر ۷۱ سال تعداد روایات (۲۶۶۰)

(۳) حضرت عائشہ صدیقہؓ وفات ۵۸ھ بعمر ۶۷ سال تعداد روایات (۲۲۱۰)

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرؓ وفات ۷۳ھ بعمر ۸۴ سال تعداد روایات (۱۶۳۰)

(۵) حضرت جابر بن عبداللہؓ وفات ۷۸ھ بعمر ۹۴ سال تعداد روایات (۱۵۶۰)

(۶) حضرت انس بن مالکؓ وفات ۹۳ھ بعمر ۱۰۳ سال تعداد روایات (۱۲۸۶)

(۷) حضرت ابوسعید خدریؓ وفات ۷۴ھ بعمر ۸۴ سال تعداد روایات — (۱۱۷۰)

یہ وہ جلیل القدر صحابہؓ ہیں جن کو ہزار سے زیادہ احادیث حفظ تھیں۔ ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص وفات ۶۳ھ۔ حضرت علیؓ وفات ۴۰ھ۔ حضرت عمرؓ وفات ۲۳ھ کا شمار اُن صحابہ میں ہوتا ہے جن کی روایات کی تعداد پانسو اور ہزار کے درمیان ہے۔

اسی طرح حضرت ابوبکرؓ وفات ۱۳ھ۔ حضرت عثمانؓ وفات ۳۶ھ۔ حضرت ام سلمہؓ وفات ۵۹ھ۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ وفات ۵۳ھ حضرت ابوذر غفاریؓ وفات ۳۲ھ۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ وفات ۵۱ھ۔ حضرت ابیّ بن کعبؓ وفات ۱۹ھ اور حضرت معاذ بن جبلؓ وفات ۱۸ھ سے سو سے زیادہ اور پانسو سے کم روایات منقول ہیں۔

ان کے ماسوا اس دور کے اُن کبار تابعین کو بھی نہیں بھلایا جاسکتا جن کی سرفروشانہ اور پُرخلوص کوششوں کی بدولت سنّت کے خزانوں سے امتِ محمدیہ قیامت تک مالامال ہوتی رہے گی۔

چند بزرگوں کا تعارف درج ذیل ہے:۔

(۱) سعید بن مسیبؓ، عہد فاروقی کے دوسرے سال مدینہ میں ان کی ولادت ہوئی اور ۱۰۵ھ میں وفات پائی۔

حضرت عثمانؓ۔ حضرت عائشہؓ حضرت ابوہریرہؓ، حضرت زید بن ثابت سے انھوں نے علم حدیث حاصل کیا۔

(۲) عروہ بن زبیرؓ آپ کا شمار مدینہ کے ممتاز اہل علم میں ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کے خواہرزادے ہیں۔ زیادہ تر انھوں نے اپنی خالہ محترمہ سے احادیث روایت کی ہیں۔ نیز حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے بھی شرف تلمذ حاصل ہے۔

صالح بن کیسانؒ اور امام زہری جیسے اہل علم ان کے تلامذہ میں شامل ہیں۔ آپ کی وفات ۹۴ھ میں ہوئی۔

(۳) سالم بن عبداللہ بن عمرؓ مدینہ کے سات فقہاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ نے اپنے والد محترم اور دوسرے صحابہ سے علم حدیث حاصل کیا۔ نافع، زہری اور دوسرے مشہور تابعین آپ کے شاگرد ہیں۔ ۱۰۶ھ میں رحلت فرمائی۔

(۴) نافع مولیٰ عبداللہ بن عمرؓ یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے خاص شاگرد اور امام مالکؒ کے استاد ہیں۔ محدثین کے نزدیک یہ سند (مالک عن نافع عن عبداللہ بن عمرؓ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سلسلۃ الذہب (طلائی زنجیر) شمار ہوتی ہے۔ ۱۱۷ھ میں وفات پائی۔

دور اوّل کا تحریری سرمایہ: (۱) صحیفہ صادقہ۔ یہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص (وفات ۶۳ھ بعمر ۷۲ سال) کا مرتب کیا ہوا ہے۔

آپ کو تصنیف و تالیف کا خاص ذوق تھا۔ یہ جو کچھ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کرتے اُسے قلم بند کرلیا کرتے تھے۔ اس بارے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دی ہوئی تھی[1] یہ مجموعہ تقریباً ایک ہزار احادیث پر مشتمل تھا۔ عرصہ تک ان کے خاندان میں محفوظ رہا۔ اب یہ مسند امام احمدؒ میں بتمام وکمال مل سکتا ہے۔

(۲) صحیفہ صحیحہ۔ مرتبہ ہمام بن مُنبّہ، وفات ۱۰۱ھ۔ یہ حضرت ابوہریرہؓ کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں۔ انھوں نے اپنے استاد محترم کی روایات کو یکجا قلم بند کرلیا تھا۔ اس کے قلمی نسخے برلن اور دمشق کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ نیز امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مشہور مسند میں ابوہریرہؓ کے زیرعنوان یہ پورا صحیفہ بجنسہٖ سمو دیا ہے[2] (ملاحظہ ہو مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۲ تا ۳۱۸) یہ مجموعہ کچھ عرصہ قبل ڈاکٹر حمیداللہ صاحب کی کوششوں سے طبع ہوکر حیدرآباد دکن سے شائع ہوچکا ہے۔ اس میں ۱۳۸ روایات ہیں۔ واضح رہے کہ صحیفہ صحیحہ کے قلمی نسخے اور امام احمد بن حنبل کی روایت کردہ احادیث دونوں کے الفاظ اگرچہ یکساں ہیں لیکن سلسلۂ اسناد مختلف ہے۔ راویوں کے اختلاف کے باوجود متن حدیث میں اختلاف نہ ہونا اس امر کی واضح شہادت ہے کہ محدثین نے کتنی محنت و جانفشانی سے علم حدیث کی حفاظت کی ہے۔

---

[1] مختصر جامع بیان العلم ص ۳۶ / ۳۷

[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، دیباچہ صحیفہ ہمام مرتبہ ڈاکٹر حمیداللہ صاحب۔

(۳) حضرت ابوہریرہؓ کے دوسرے شاگرد بشیر بن نہیک نے بھی ایک مجموعہ مرتب کیا تھا جس کی انھوں نے رخصت ہوتے وقت حضرت ابوہریرہؓ کو سُنا کر تصدیق کرالی تھی۔[۱]

(۴) مسند ابوہریرہؓ۔ اس کے نسخے عہدِ صحابہ ہی میں لکھے گئے تھے۔ اس کی ایک نقل حضرت عمر بن عبدالعزیز کے والد عبدالعزیز بن مروان گورنر مصر وفات ۸۶ھ کے پاس بھی تھی۔

انھوں نے کثیر بن مرہ کو لکھا تھا کہ تمہارے پاس صحابہ کرامؓ کی جو حدیثیں ہوں ان کو لکھ کر بھیج دو۔ لیکن حضرت ابوہریرہؓ کی روایات بھیجنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ ہمارے پاس موجود ہیں۔[۲]

مسند ابوہریرہؓ کا ایک نسخہ امام ابن تیمیہؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا جرمنی کے کتب خانے میں موجود ہے۔[۳]

(۵) صحیفہ حضرت علیؓ۔ امام بخاریؒ کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجموعہ کافی ضخیم تھا۔[۴] اس میں زکوٰۃ، حرمتِ مدینہ، خطبہ حجۃ الوداع اور اسلامی دستور کے نکات درج تھے۔

(۶) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تحریری خطبہ۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوشاہ یمنی کی درخواست پر اپنا مفصل خطبہ قلم بند کرنے کا حکم دیا تھا۔[۵] یہ خطبہ حقوقِ انسانی کی اہم تفصیلات پر مشتمل ہے۔

(۷) صحیفہ حضرت جابرؓ۔ حضرت جابر بن عبداللہ کی روایات کو اُن کے تلامذہ وھب بن منبہ وفات ۱۱۰ھ اور سلیمانؒ بن قیس لشکری نے تحریری طور پر مرتب کر لیا تھا۔ یہ مجموعہ مناسکِ حج، خطبہ حجۃ الوداع پر مشتمل تھا۔

(۸) روایات حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ حضرت عائشہؓ کی احادیث ان کے شاگرد عروہ بن زبیر نے قلم بند کر لی تھیں۔[۷]

---

[۱] جامع العلم۔ ج ۱ ص ۷۲۔ تہذیب التہذیب ج ۱۔ ص ۴۷۰

[۲] دیباچہ صحیفہ ہمام ص ۵۰ بحوالہ طبقات ابن سعد ج ۷۔ ص ۱۵۷

[۳] مقدمہ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی۔ ص ۱۶۵۔ [۴] صحیح بخاری۔ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ [illegible]

[۵] صحیح بخاری، مطبوعہ احمدی ج ۱ ص ۲۰۔ مختصر جامع العلم ص ۳۶ صحیح مسلم۔ ج ۱ ص ۴۳۹

[۶] تہذیب التہذیب ج ۴۔ ص ۲۱۵۔

[۷] تہذیب التہذیب ج ۷۔ ص ۱۸۳ ص ۱۸۳

(۹) احادیث ابن عباسؓ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایات کے متعدد مجموعے تھے۔ حضرت سعید بن جبیر تابعی بھی ان کی روایات تحریری طور پر مرتب کرتے تھے۔

(۱۰) انس بن مالک کے صحیفے۔ سعید بن ہلال کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ اپنی قلمی یادداشتیں نکال کر ہمیں دکھاتے اور فرماتے یہ روایات میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہیں اور قلم بند کرنے کے بعد آپ کو سنا کر تصدیق بھی کرالی ہے۔[۱]

(۱۱) عمرو بن حزم۔ جن کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تحریری ہدایت نامہ دیا تھا۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ اس ہدایت نامہ کو محفوظ رکھا بلکہ اس کے ساتھ اکیس دوسرے فرامینِ نبویؐ بھی شامل کر کے ایک اچھی خاصی کتاب مرتب کر لی۔[۲]

(۱۲) رسالہ سمرہ بن جندب۔ یہ ان کے صاحبزادے کو وراثت میں ملا۔ یہ روایات کے ایک بہت بڑے ذخیرے پر مشتمل تھا۔[۳]

(۱۳) صحیفہ سعد بن عبادہ۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ صحابی، دورِ جاہلیت سے ہی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

(۱۴) مکتوبات حضرت نافعؒ۔ سلیمان بن موسیٰ کی روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ املا کراتے تھے اور نافع لکھتے جاتے تھے۔[۴]

(۱۵) حسن سے روایت ہے کہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعودؓ نے میرے سامنے کتاب نکالی اور حلف اٹھاتے ہوئے کہا کہ یہ میرے والد عبداللہ بن مسعود کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔[۵] اگر تحقیق و تفتیش کا سلسلہ جاری جائے تو ان کے علاوہ بہت سی مزید مثالیں اور واقعات مل سکتے ہیں۔

اسی دور میں صحابہ کرام اور کبار تابعین نے زیادہ تر اپنی ذاتی یادداشتوں کو قلم بند کرنے پر توجہ دی؛

---

[۱] دیباچہ صحیفہ ہمام۔ ص ۴۴۔ بحوالہ خطیب البغدادی۔ نیز مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۷۴

- - - - - - - - - - - - - -

[۲] الوثائق السیاسیہ۔ ص ۱۰۵۔ از ڈاکٹر حمید اللہ بحوالہ الطبری ص ۱۷۲۷

[۳] تہذیب التہذیب۔ ابن حجرؒ ج ۴۔ ص ۲۳۶

[۴] دارمی ص ۶۹۔ نیز دیباچہ صحیفہ ہمام۔ ص ۵۴ بحوالہ طبقات ابن سعد۔

[۵] مختصر جامع العلم۔ ص ۳۷۔ [۶] دارمی۔ ص ۶۸

لیکن دوسرے دور میں جمع و تدوین کا کام مزید وسعت اختیار کر گیا۔ جامعین حدیث نے اپنی ذاتی معلومات کے ساتھ ساتھ اپنے شہر یا علاقہ کے اہل علم سے مل کر ان کی روایات بھی منضبط کر لیں۔

دوسرا دور | یہ دوسرا دور تقریباً دوسری صدی ہجری کے نصف پر منتہی ہوتا ہے۔ اس دور میں تابعین کی ایک بڑی جماعت تیار ہو گئی جس نے دورِ اوّل کے تحریری سرمایہ کو وسیع تر تالیفات میں سمیٹ لیا۔

جامعین حدیث | (۱) محمد بن شہاب زہری۔ وفات سنہ ۱۲۴ھ۔ یہ اپنے زمانے کے ممتاز محدثین میں سے شمار ہوتے ہیں۔ آپ نے علم حدیث مندرجہ ذیل جلیل القدر شخصیتوں سے حاصل کیا ہے۔

صحابہ میں سے (۱) عبداللہ بن عمرؓ (۲) انس بن مالک (۳) سہل بن سعد اور تابعین میں سے سعد بن مسیّب، محمود بن ربیع وغیرہ۔

آپ کے تلامذہ میں امام اوزاعی، امام مالک اور سفیان بن عیینہ جیسے ائمہ حدیث کا شمار ہوتا ہے۔

ان کو حضرت (عمر) بن عبدالعزیز نے سنہ ۱۰۱ھ میں احادیث جمع کرنے کا حکم دیا تھا۔ ان کے علاوہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مدینہ کے گورنر ابوبکر محمد بن عمر بن حزم کو ہدایت بھیجی تھی کہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن اور قاسم بن محمد کے پاس جو احادیث کا ذخیرہ ہے اسے قلم بند کر لیں۔

یہ عمرہ، حضرت عائشہؓ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں اور قاسم بن محمد ان کے برادر زادے ہیں حضرت عائشہؓ نے اپنی نگرانی میں ان کی تربیت و تعلیم کا اہتمام کیا تھا[1]

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مملکتِ اسلامی کے تمام ذمہ داروں کو ذخائرِ حدیث کے جمع و تدوین کرنے کا تاکیدی فرمان جاری کر دیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں احادیث کے دفتر کے دفتر دار الخلافہ دمشق پہنچ گئے۔ خلیفۂ وقت نے ان کی نقلیں مملکت کے گوشے گوشے میں پھیلا دیں[2]

امام زہریؒ کے مجموعہ حدیث مرتب کرنے کے بعد اس دور کے دوسرے اہلِ علم نے بھی تدوین و تالیف کا کام شروع کر دیا۔

عبدالملک بن جریج سنہ ۱۵۰ھ نے مکہ میں امام اوزاعیؒ (ف سنہ ۱۵۶ھ) نے شام میں معمر بن راشد

[1] تہذیب التہذیب ابن حجر۔ ج ۷۔ ص ۱۷۳۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۰۶۔ مختصر جامع العلم ص ۳۸

(ف سنہ ۱۵۳ھ) نے یمن میں؛ امام سفیان ثوریؒ (ف سنہ ۱۶۱ھ) نے کوفہ میں امام حمادؒ بن سلمہ (ف سنہ ۱۶۷ھ) نے بصرہ میں اور امام عبداللہ بن المبارکؒ سنہ ۱۸۱ھ نے خراسان میں احادیث کے جمع و تدوین کے کام میں سبقت کا شرف حاصل کیا۔

(۸) امام مالک بن انس ولادت سنہ ۹۳ھ وفات سنہ ۱۷۹ھ۔ امام زہریؒ کے بعد مدینہ میں حدیث نبویؐ کی تدوین کا شرف آپ ہی کو حاصل ہوا ہے، آپ نے نافع، زہری اور دوسرے ممتاز اہل علم سے استفادہ کیا۔ آپ کے اساتذہ کی تعداد نو سو تک پہنچتی ہے۔ آپ کے چشمۂ فیض سے براہِ راست حجاز، شام، عراق، فلسطین، مصر، افریقہ اور اندلس کے ہزاروں تشنگانِ سنت سیراب ہوئے۔ آپ کے تلامذہ میں لیث بن سعد (ف سنہ ۱۷۵ھ) ابن مبارک (ف ۱۸۱ھ) امام شافعی (ف ۲۰۴ھ) امام محمد بن حسن الشیبانیؒ (ف سنہ ۱۸۹ھ) جیسے مشاہیر شامل ہیں۔

اس دور میں حدیث کے بہت سے مجموعے مرتب ہوئے جن میں امام مالکؒ کی مؤطا کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ اس کا زمانۂ تالیف سنہ ۱۳۰ھ کے درمیان ہے۔ کل روایات کی تعداد ۱۷۰۰ ہے جن میں سے مرفوع ۶۰۰ مرسل ۲۲۸، موقوف ۶۱۳ اور اقوالِ تابعین ۲۸۵ ہیں۔ اس دور کی چند دوسری تالیفات کے نام یہ ہیں:

جامع سفیان ثوری (ف سنہ ۱۶۱ھ) جامع ابن المبارک (ف سنہ ۱۸۱ھ) جامع امام اوزاعی (ف سنہ ۱۵۷ھ) جامع ابن جریج (ف سنہ ۱۵۰ھ) کتاب الخراج۔ قاضی ابو یوسف (ف سنہ ۱۸۲ھ) کتاب الآثار امام محمد (ف سنہ ۱۸۹ھ)۔ اس دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث، آثارِ صحابہ اور فتاویٰ تابعین کو ایک ہی مجموعہ میں مرتب کر لیا جاتا تھا لیکن ساتھ ہی یہ بھی وضاحت ہو جاتی تھی کہ یہ صحابی یا تابعی کا قول ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث۔

تیسرا دور | یہ دور تقریباً دوسری صدی ہجری کے نصف آخر سے چوتھی صدی ہجری کے خاتمہ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دور کی خصوصیات یہ ہیں:—

(۱) احادیثِ نبویؐ کو آثارِ صحابہ اور اقوالِ تابعین سے الگ کر کے مرتب کیا گیا۔

(۲) قابلِ اعتماد روایات کے علیحدہ مجموعے تیار کیے گئے اور اس طرح چھان بین اور تحقیق و تفتیش کے بعد دوسرے دور کی تصانیف تیسرے دور کی ضخیم کتابوں میں سما گئیں۔

اس دور میں نہ صرف یہ کہ روایات جمع کی گئیں بلکہ علم حدیث کی حفاظت کے لیے محدثین کرام نے نئے

زیادہ علوم کی بنیاد ڈالی جن پر اب تک ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں ۔ شکر اللہ سعیھم وجزاھم عنا احسن الجزاء

مختصر طور پر چند علوم کا تعارف یہاں کرایا جاتا ہے ۔

(۱) علم اسماء الرجال ۔ اس علم میں راویوں کے حالات ، پیدائش ، وفات ، اساتذہ تلامذہ کی تفصیل طلب علم کے لیے سفر اور ثقہ ، غیر ثقہ ہونے کے بارے میں ماہرین علم حدیث کے فیصلے درج ہیں ۔ یہ علم بہت ہی وسیع ، مفید اور دلچسپ ہے ۔

بعض متعصب مستشرقین بھی یہ اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکے کہ اس فن کی بدولت پانچ لاکھ راویوں کے حالات محفوظ ہو گئے ۔ یہ وہ خصوصیت ہے جس میں مسلمان قوم کی نظیر ملنا مشکل ہے[1]

اس علم میں سیکڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں ۔ چند کے نام یہ ہیں :۔

(۱) (الف) تہذیب الکمال ۔ مؤلفہ امام یوسف مزی (وفات ۷۴۲ھ) اس علم میں یہ سب سے زیادہ اہم اور مستند کتاب ہے ۔

(ب) تہذیب التہذیب ، مؤلفہ حافظ ابن حجرؒ شارح بخاری ۔ یہ بارہ جلدوں میں ہے ۔ حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہے ۔

(ج) تذکرۃ الحفاظ ۔ مرتبہ علامہ ذہبی (وفات ۷۴۸ھ)

(۲) علم مصطلح الحدیث (اصول حدیث) اس علم کی روشنی میں حدیث کی صحت وضعف کے قواعد و ضوابط معلوم ہوتے ہیں ۔

اس علم کی مشہور کتاب علوم الحدیث معروف بہ مقدمہ ابن الصلاح ہے ۔ مؤلفہ ابو عمرو عثمان ابن الصلاح (وفات ۵۷۷ھ)

ماضی قریب میں اصول حدیث پر دو کتابیں شائع ہوئی ہیں ۔

(الف) توجیہ النظر ، مؤلفہ علامہ طاہر بن صالح الجزائری (ف ۱۳۳۶ھ)

(ب) قواعد التحدیث ۔ مرتبہ علامہ سید جمال الدین قاسمی (وفات ۱۳۳۲ھ)

اوّل الذکر وسعتِ معلومات اور آخر الذکر حسن ترتیب میں ممتاز ہیں ۔

[1] مقدمہ الاصابہ انگریزی شائع شدہ ۱۸۶۲ء از کلکتہ مرتبہ مستشرق اسپرنگر

(۳) علم غریب الحدیث ۔ اس علم میں احادیث کے مشکل الفاظ کی لغوی تحقیق کی گئی ہے ۔ اس علم میں علامہ زمخشری (وفات ۵۳۸ھ) کی الفائق اور ابن الاثیر (ف ۶۰۶ھ) کی نہایہ مشہور ہیں ۔

(۴) علم تخریج الاحادیث ۔ اس علم کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے کہ مشہور کتب تفسیر ، فقہ ، تصوف اور عقائد میں جو روایات درج ہیں ان کا اصل ماخذ اور سرچشمہ کیا ہے ۔ مثلاً ہدایہ از برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی (ف ۵۹۳ھ) اور احیاء العلوم (امام غزالیؒ وفات ۵۰۵ھ) میں بہت سی روایات بلا سند اور بلا حوالہ مذکور ہیں ۔

اب اگر کسی کو یہ معلوم کرنا ہو کہ یہ روایات کس پایہ کی ہیں اور کون کونسی حدیث کی اہم کتابوں میں ان کا ذکر ہے تو اول الذکر کے لیے حافظ زیلعی وفات ۷۹۳ھ کی نصب الرایہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی وفات ۸۵۲ھ کی الدرایہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور آخر الذکر کے لیے حافظ زین الدین عراقی (ف ۸۰۶ھ) کی تالیف المغنی عن حمل الاسفار موزوں رہے گی ۔

(۵) علم الاحادیث الموضوعہ ۔ اس فن میں اہل علم نے مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں ۔ موضوع (من گھڑت) روایات کو الگ چھانٹ دیا ہے ۔ اس بارے میں قاضی شوکانی (ف ۱۲۵۵ھ) کی الفوائد المجموعہ اور حافظ جلال الدین سیوطی کی (ف ۹۱۱ھ) اللآلی المصنوعہ زیادہ نمایاں ہیں ۔

(۶) علم الناسخ والمنسوخ ۔ اس فن میں امام محمد بن موسیٰ حازمی (ف ۵۸۴ھ بعمر ۳۵ سال) کی تصنیف کتاب الاعتبار زیادہ مستند اور مشہور ہے ۔

(۷) علم التوفیق بین الاحادیث ۔ اس علم میں ان روایات کی صحیح توجیہہ بیان کی گئی ہے جن میں بظاہر تعارض اور ٹکراؤ معلوم ہوتا ہے ۔ سب سے پہلے امام شافعی (ف ۲۰۴ھ) نے اس موضوع پر گفتگو کی ہے ۔ ان کا رسالہ مختلف الحدیث کے نام سے مشہور ہے ۔ امام طحاوی (ف ۳۲۱ھ) کی مشکل الآثار بھی اس فن کی مفید کتاب ہے ۔

(۸) علم المختلف والمؤتلف ۔ اس علم میں خاص طور پر ان راویوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کے اپنے نام ، کنیت لقب آباؤ اجداد کے نام یا اساتذہ کے نام ملتے جلتے ہیں اور اس اشتباہ کی بنا پر ایک ناواقف انسان مغالطہ میں مبتلا ہو سکتا ہے ۔ اس فن میں حافظ ابن حجر کی تبصیر المنتبہ زیادہ جامع کتاب ہے ۔

(۹) علم اطراف الحدیث ۔ اس علم کے ذریعہ معلوم ہو سکتا ہے کہ فلاں روایت کس کتاب میں ہے اور

اس کے راوی کون کون سے ہیں۔ مثلاً آپ کو "انما الاعمال بالنیات" حدیث کا ایک جملہ یاد ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ اس کے تمام ماخذ روایت کے پورے الفاظ اور راوی معلوم ہو جائیں تو آپ کو اس علم کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اس عنوان پر حافظ مزی (ف سنہ ۷۴۲ھ) کی کتاب تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف زیادہ مفصل ہے۔ اس میں صحاح ستہ کی روایات کی پوری فہرست آگئی ہے۔ اس کتاب کی ترتیب میں حافظ یوسف مزی کے ۲۶ سال صرف ہوئے ہیں۔ انتہائی محنت شاقہ کے بعد یہ کتاب مکمل ہوئی ہے۔

آج کے مستشرقین نے ایسی ہی کتابوں سے خوشہ چینی کر کے نرالے ڈھب سے احادیث کی فہرست مرتب کی ہے۔ مثلاً مفتاح کنوز السنۃ انگریزی میں شائع ہوئی تھی جس کا عربی میں ترجمہ سنہ ۱۹۳۴ء میں مصر سے شائع ہوا ہے اور اب ایک وسیع فہرست المعجم المفہرس کے نام سے زیر ترتیب ہے جس کے کم و بیش بیس اجزاء شائع ہو چکے ہیں۔

۱۰۔ فقہ الحدیث۔ اس علم میں احکام پر مشتمل احادیث کے اسرار اور حکمتیں بے نقاب کی گئی ہیں۔ اس موضوع پر حافظ ابن قیم (ف سنہ ۷۵۱ھ) کی کتاب اعلام الموقعین اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی حجۃ اللہ البالغہ سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ ان کے علاوہ اہل علم نے زندگی کے مختلف مسائل پر الگ الگ تصانیف بھی مرتب کی ہیں۔

مثلاً مالی معاملات میں ابو عبیدہ قاسم بن سلام (ف سنہ ۲۲۴ھ) کی تالیف کتاب الاموال مشہور ہے اور زمین کے مسائل عشر، خراج وغیرہ پر قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج بہترین تصنیف ہے۔
نیز سنت کے ماخذ شریعت ہونے اور منکرین حدیث کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا پردہ چاک کرنے کے لیے مندرجہ ذیل تصنیفات کا مطالعہ مفید ہو سکتا ہے۔
کتاب الام جلد ۷۔ الرسالہ امام شافعیؒ۔ الموافقات جلد چہارم مؤلفہ ابو اسحاق شاطبی (ف سنہ ۷۹۰ھ) صواعق مرسلہ ج ۲۔ ابن قیم۔ الاحکام لابن حزم الاندلسی (ف ۴۵۶ھ) مقدمہ ترجمان السنۃ اردو از مولانا بدر عالم میرٹھی۔ اثبات الخبر۔ مؤلفہ والد محترم مولانا حافظ عبدالستار حسن عمر پوری۔ (وفات سنہ ۱۹۱۶ء مطابق سنہ ۱۳۳۴ھ بعمر ۴۳ سال) حدیث اور قرآن مرتبہ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی۔
نیز انکار حدیث کا منظر اور پس منظر کے نام سے جناب افتخار احمد بلخی کی تصنیف بھی دلچسپ اور

معلومات افزا ہے۔ اب تک اس کے دو حصے شائع ہو چکے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل علامہ مصطفیٰ سباعی نے احادیث کے حجت ہونے پر رسالہ المسلمون (دمشق) میں نہایت ہی مفید سلسلہ مضامین شائع کیا تھا، جس کا اردو ترجمہ محترم رفیق ملک غلام علی صاحب نے کیا ہے۔ سنت رسول کے نام سے یہ کتابچہ شائع ہو چکا ہے۔
تاریخ علم حدیث اور متعلقہ مباحث پر مندرجہ ذیل تصانیف اپنے اندر جامعیت اور افادیت کا پہلو رکھتی ہیں۔ مقدمہ فتح الباری، حافظ ابن حجر، جامع بیان العلم و اہلہ (از حافظ ابن عبد البر اندلسی ف سنہ ۴۶۳ھ) معرفت علوم الحدیث امام حاکم (ف سنہ ۴۰۵ھ) مقدمہ تحفۃ الاحوذی، مؤلفہ عبد الرحمن صاحب محدث مبارک پوری ف سنہ ۱۳۵۳ھ مطابق سنہ ۱۹۳۵ء۔ ماضی قریب کی تصانیف میں یہ کتاب اپنی جامعیت اور افادیت کے لحاظ سے ایک شاہکار ہے۔ اسی طرح مقدمہ فتح الملہم مرتبہ مولانا شبیر احمد عثمانی اور اردو میں تدوین حدیث مرتبہ مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم، وسیع معلومات کا گنجینہ ہیں۔

تیسرے دور کے جامعین حدیث | اس دور کے ممتاز اور مشہور جامعین حدیث اور مستند تالیفات کا تعارف ذیل میں کرایا جاتا ہے۔

(۱) امام احمد بن حنبلؒ (ولادت سنہ ۱۶۴ھ وفات سنہ ۲۴۱ھ) آپ کی اہم تالیف مسند احمد کے نام سے مشہور ہے۔ یہ تیس ہزار روایات پر مشتمل ہے، اس کی چوبیس جلدیں ہیں۔ قابل ذکر احادیث سب اس میں آگئی ہیں۔ اس میں عنوان کے لحاظ سے ترتیب کے بجائے ہر صحابی کی تمام روایات یکجا مرتب کر دی گئی ہیں۔ اس کتاب کی تبویب یعنی عنوان وار ترتیب حسن البنا شہید کے والد محترم احمد عبد الرحمن ساعاتی نے شروع کی تھی۔ اس وقت تک ۱۴ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔
(۲) امام محمد بن اسماعیل البخاریؒ ولادت سنہ ۱۹۴ھ وفات سنہ ۲۵۶ھ آپ کی تاریخ ولادت "صدق" اور تاریخ وفات "نور" نکلتی ہے۔ امام بخاریؒ کی تصانیف میں سے سب سے زیادہ اہم اور مستند کتاب صحیح بخاری ہے جس کا پورا نام یہ ہے "الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ایامہ"
اس کتاب کی تالیف میں ۱۶ سال صرف ہوئے۔ آپ سے براہ راست صحیح بخاری پڑھنے والے تلامذہ کی تعداد نوے ہزار تک پہنچتی ہے۔ بعض دفعہ ایک ہی مجلس میں حاضرین کی تعداد بیس ہزار تک پہنچ جایا کرتی تھی۔ اس قسم کے اجتماعات میں املا کرانے والوں کا شمار ۳۰۰ سے متجاوز ہو جاتا تھا۔ کل تعداد روایات مع تعلیقات ۹۰۸۲۔ مرفوع مسند روایات ۷۲۷۵۔ غیر مکرر روایات ۴۰۰۰ . . . .

. . . . امام بخاری نے دوسرے محدثین کی بہ نسبت راویوں کے پرکھنے کا معیار زیادہ بلند رکھا ہے ۔

(۳) امام مسلم ابن حجاج قشیری (ولادت سنہ ۲۰۲ھ وفات سنہ ۲۶۱ھ) امام بخاری، امام احمد بن حنبل ان کے اساتذہ میں شامل ہیں۔ اور امام ترمذی، ابوحاتم رازی، ابوبکر بن خزیمہ کا شمار ان کے تلامذہ میں ہوتا ہے۔

ان کی کتاب صحیح مسلم حسن ترتیب کے لحاظ سے زیادہ ممتاز مانی جاتی ہے ۔

(۴) امام ابوداؤد اشعث بن سلیمان سجستانی، ولادت سنہ ۲۰۲ھ وفات سنہ ۲۷۵ھ ان کی اہم تالیف سنن ابوداؤد کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں زیادہ تر احکام پر مشتمل روایات کو پوری جامعیت کے ساتھ یکجا کر دیا گیا ہے ۔ فقہی اور قانونی مسائل کا یہ بہترین ماخذ ہے۔ یہ چار ہزار آٹھ سو احادیث پر مشتمل ہے ۔

(۵) امام ابوعیسیٰ ترمذی ولادت سنہ ۲۰۹ھ وفات سنہ ۲۷۹ھ اس کتاب میں فقہی مسالک کی تفصیل وضاحت سے کی گئی ہے ۔

(۶) امام احمد بن شعیب نسائی۔ وفات سنہ ۳۰۳ھ ان کی تصنیف کا نام السنن المجتبیٰ ہے ۔

(۷) امام محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی (ف سنہ ۲۷۳ھ) ان کی کتاب سنن ابن ماجہ کے نام سے مشہور ہے۔ مسند احمد کے علاوہ ان چھ کتابوں کو محدثین کی اصطلاح میں صحاح ستہ کہا جاتا ہے۔ بعض اہل علم نے بجائے ابن ماجہ کے مؤطا امام مالک کو صحاح ستہ میں شمار کیا ہے۔

ان کے علاوہ اس دور میں اور بھی بہت سی مفید اور جامع تالیفات شائع ہوئی ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ بخاری، مسلم، ترمذی جامع کہلاتی ہیں۔ یعنی عقائد، عبادات، اخلاق اور معاملات وغیرہ تمام عنوانات پر ان میں احادیث موجود ہیں اور ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ سنن کہلاتی ہیں۔ یعنی ان میں زیادہ تر عملی زندگی سے متعلق روایات درج ہیں۔

طبقات کتب حدیث | محدثین نے روایات کی صحت و قوت کے لحاظ سے تمام کتب حدیث کو چار طبقات پر تقسیم کیا ہے۔

(۱) مؤطا امام مالکؒ، صحیح بخاریؒ، صحیح مسلمؒ: یہ تینوں کتابیں صحت سند اور راویوں کی ثقاہت کے اعتبار سے اعلیٰ مقام رکھتی ہے۔

(۲) ابوداؤد، ترمذی، نسائی۔ ان کتابوں کے بعض راوی ثقاہت کے اعتبار سے طبقۂ اول سے فروتر ہیں لیکن

ان کو بہرحال قابل اعتماد مانا جاتا ہے۔ مسند احمد کا شمار شاہ ولی اللہؒ کی تحقیق کے مطابق طبقہ (۲) اور (۳) کے درمیان ہوتا ہے۔

(۳) دارمی (ف سنہ ۲۵۵ھ) ابن ماجہ، بیہقی، دارقطنی (ف سنہ ۳۸۵ھ) کتب طبرانی (ف سنہ ۳۶۰ھ) تصانیف طحاوی (ف سنہ ۳۲۱ھ) مسند شافعیؒ، مستدرک حاکم (ف سنہ ۴۰۵ھ) ان کتابوں میں صحیح، ضعیف ہر قسم کی روایات موجود ہیں لیکن قابل اعتماد روایات کا عنصر غالب ہے۔

(۴) تصانیف ابن جریر طبری (ف سنہ ۳۱۰ھ) کتب خطیب بغدادی (ف سنہ ۴۶۳ھ) ابونعیم (ف سنہ ۴۳۰ھ) ابن عساکر (ف سنہ ۵۷۱ھ) دیلمی صاحب فردوس (ف سنہ ۵۰۹ھ) کامل ابن عدی (ف سنہ ۳۶۵ھ) تالیفات ابن مردویہ (ف سنہ ۴۱۰ھ) واقدی (ف سنہ ۲۰۷ھ) اور اسی نوع کے دوسرے مصنفین کی کتابیں اسی طبقہ میں شمار ہوتی ہیں۔ یہ تالیفات رطب و یابس کا مجموعہ ہیں۔ موضوع (من گھڑت) روایات تک بھی ان میں بکثرت موجود ہیں۔ زیادہ تر عام واعظین، مورخین اور اصحاب تصوف کا سہارا یہی کتابیں ہیں لیکن اگر چھان بین سے کام لیا جائے تو ان تالیفات میں سے بھی بیش بہا جواہر ریزے نکالے جا سکتے ہیں ۔

چوتھا دور | تقریباً پانچویں صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے اور اس کا سلسلہ اب تک جاری ہے ۔ اس عرصہ میں تیسرے دور کا انداز تدوین اختتام کو پہنچ گیا تھا۔ اس طویل مدت میں جو کام ہوا ہے اس کی تفصیل یہ ہے:-

(۱) حدیث کی اہم کتابوں کی شرحیں، حواشی اور دوسری زبانوں میں تراجم لکھے گئے ۔

(۲) جن علوم حدیث کا ذکر اوپر آیا ہے ان پر بہت سی تصانیف اسی دور میں وجود میں آئی ہیں اور ان کی شرحیں اور خلاصے لکھے گئے ہیں ۔

(۳) اہل علم نے اپنے ذوق یا ضرورت کے مطابق تیسرے دور کی تالیفات سے احادیث منتخب کر کے مفید کتابیں مرتب کی ہیں۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں :-

(الف) مشکوٰۃ المصابیح مؤلفہ ولی الدین خطیب ۔ اس میں عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، آداب اور حشر و نشر سے متعلق روایات جمع کر دی گئیں ہیں ۔

(ب) ریاض الصالحین ۔ مرتبہ امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی شارح مسلم (وفات سنہ ۶۷۶ھ) یہ زیادہ تر اخلاق و آداب پر مشتمل احادیث کا انتخاب ہے ۔ ہر باب کے شروع میں عنوان کے مطابق قرآنی آیات بھی ذکر کی گئی ہیں ۔ یہ اس کتاب کی اہم خصوصیت ہے ۔ صحیح بخاری کا بھی انداز تالیف و ترتیب یہی ہے ۔

(۴) منتقی الاخبار، مؤلفہ مجد الدین ابو البرکات عبد السلام بن تیمیہ (ف ۶۵۲ھ)

یہ مشہور شیخ الاسلام تقی الدین، احمد بن تیمیہؒ (ف ۷۲۸ھ) کے جد امجد ہیں۔ اس کتاب کی شرح آٹھ جلدوں میں قاضی شوکانی نے نیل الاوطار کے نام سے مرتب کی ہے۔

(۵) بلوغ المرام، مرتبہ حافظ ابن حجر شارح بخاری (وفات ۸۵۲ھ) اس میں زیادہ تر عبادات اور معاملات سے متعلق احادیث جمع کی گئی ہیں۔ اس کی شرح سبل السلام عربی میں محمد بن اسماعیل صنعانی (وفات ۱۱۸۲ھ) کے قلم سے شائع ہوئی ہے اور دوسری مسک الختام کے نام سے فارسی میں نواب صدیق الحسن خاں، (ف ۱۳۰۷ھ) نے ترتیب دی ہے۔ ان میں سے اکثر کے تراجم عرصہ ہوا اردو میں شائع ہو چکے ہیں۔

غیر منقسم ہندوستان میں سب سے پہلے شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ بن سیف الدین ترک (وفات ۱۰۵۲ھ) نے علم حدیث کی شمع روشن کی۔ اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ (وفات ۱۱۷۶ھ) اور ان کی اولاد، احفاد اور ارشد تلامذہ کی جانفشانیوں اور جگر کاویوں سے اس ملک کی سرزمین نور سنت سے جگمگا اٹھی واشرقت الارض بنور ربھا۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد سے اس ملک میں تراجم شروح اور منتخب احادیث کے مجموعوں کی ترتیب واشاعت کا مقدس سلسلہ اب تک جاری ہے۔

اس پوری تفصیل کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ عہد نبویؐ سے لے کر اب تک کوئی دور بھی ایسا نہیں گزرا ہے جس میں حدیث کے لکھنے اور روایت کرنے کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہو۔ یہ وہ سلسلۂ علم ہے جس کا دن بھی روشن ہے اور جس کی رات کا دامن بھی درخشانیوں اور تابناکیوں سے بھرپور ہے۔ لیلھا کنھارھا

آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ط ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

تزکیہ نفس

حصہ اول و دوم ایک جلد میں

مولانا امین احسن اصلاحی کی اس معرکۃ الآرا تصنیف کا مطالعہ فرمائیں۔ زبان نہایت شگفتہ۔ طرز استدلال نہایت دلنشین۔ ضخامت میثاق کے سائز کے ۴۴۲ صفحات سستا ایڈیشن۔ قیمت صرف ۳ روپے ۵۰ پیسے

ملنے کا پتہ: مکتبہ میثاق رحمان پورہ، اچھرہ لاہور

اجتماعیات وسیاسیات

مولانا سید جلال الدین صاحب عمری

اسلام کا شورائی نظام

(۶)

بعض روایات سے اس بات کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ سعد بن عبادہؓ حضرت ابوبکرؓ کے دلائل سے مطمئن ہو چکے تھے انھوں نے مہاجرین کے استحقاق خلافت کو تسلیم بھی کر لیا تھا، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے دلائل کو مانتے ہوئے فرماتے ہیں۔

صَدَقْتَ نَحْنُ الْوُزَرَاءُ وَاَنْتُمُ الْاُمَرَاءُ[1] آپ نے سچ کہا ہم وزراء ہیں اور آپ لوگ امراء

امام ابن تیمیہ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کے متعلق فرماتے ہیں:-

وَلَا قَالَ اَحَدٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ اَنَّ غَيْرَ اَبِيْ بَكْرٍ مِّنَ الْمُهَاجِرِيْنَ اَحَقُّ بِالْخِلَافَةِ مِنْهُ وَلَمْ يُنَازِعْ اَحَدٌ فِيْ خِلَافَتِهٖ اِلَّا بَعْضُ الْاَنْصَارِ طَمَعًا اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْاَنْصَارِ اَمِيْرٌ وَّمِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ اَمِيْرٌ... ثُمَّ الْاَنْصَارُ جَمِيْعُهُمْ بَايَعُوْا اَبَا بَكْرٍ اِلَّا سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ لِكَوْنِهٖ هُوَ الَّذِيْ كَانَ يَطْلُبُ الْوِلَايَةَ وَلَمْ يَقُلْ قَطُّ اَحَدٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ اَنَّ فِيْ قُرَيْشٍ مَّنْ هُوَ اَحَقُّ بِهَا مِنْ اَبِيْ بَكْرٍ

صحابہ میں سے کسی نے یہ بھی نہیں کہا کہ مہاجرین میں حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ اور کوئی مستحق خلافت ہے اور آپ کے خلیفہ بنائے جانے میں بعض انصار نے اس وجہ سے مخالفت کی کہ ان میں سے ایک امیر اور مہاجرین میں سے ایک امیر ہو.... پھر سوائے سعد بن عبادہؓ کے تمام انصار نے آپ کی بیعت کی، چونکہ سعد خود بیعت کے طالب تھے اس وجہ سے وہ بیعت پر رضامند نہیں ہوئے، کسی صحابی نے یہ نہیں کہا کہ قریش میں کوئی حضرت ابوبکرؓ سے زیادہ خلافت کا مستحق ہے۔ نہ بنی ہاشم نے یہ دعویٰ کیا اور نہ غیر بنی ہاشم نے۔ یہ ایسی باتیں ہیں جنھیں آثار وسنن

[1] تاریخ طبری ج ۳ صفحہ ۱۹۹۔ مسند احمد حدیث نمبر ۱۸۔ یہ روایت مرسل ہے کیونکہ اس کے آخری راوی حمید بن عبد الرحمٰن ہیں جو کہ بالاتفاق تابعی ہیں۔

لَا مِنْ بَنِیْ ھَاشِمٍ وَلَا مِنْ غَیْرِ بَنِیْ ھَاشِمٍ وَھٰذَا کُلُّہٗ مِمَّا یَعْلَمُہُ الْعُلَمَاءُ الْعَالِمُوْنَ بِالْاٰثَارِ وَالسُّنَنِ وَالْحَدِیْثِ[1]

کے تمام باعمل واقف کار بخوبی جانتے ہیں۔

☆

حضرت عمرؓ کی بیعت

حضرت عمرؓ کی بیعت کے سلسلہ میں عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ غیر جمہوری طریقہ سے انجام پائی تھی گویا خلیفۂ وقت نے اپنی دانست میں کسی کو بہتر سمجھا اور اسے عوام کا خلیفہ مقرر کر دیا حالانکہ یہ واقعہ کی بالکل غلط اور تاریخی حقائق سے ہٹی ہوئی تعبیر ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ امت کے امیر اور حاکم تھے ان کا یہ فرض منصبی تھا کہ امت کی صلاح و فلاح پر غور کرتے انھوں نے امت کے حق میں یہ بہتر سمجھا کہ اپنی زندگی ہی میں کسی افضل اور صالح ترین شخص کو اپنا جانشین مقرر کر دیا جائے تاکہ امت ان کے انتخاب کے اختلافات سے دوچار نہ ہو لیکن یہ کام حضرت ابوبکرؓ محض اپنی مرضی سے انجام نہیں دے سکتے تھے۔ اس کے لیے امت کے نمائندوں کا اتفاق ناگزیر تھا، چنانچہ آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے امت کے ایک اہل ترین شخص حضرت عمرؓ کے بارے میں رائے لی۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ وہ آپ کی رائے سے بھی بہت بلند ہیں لیکن ان میں کسی قدر سختی ہے، حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ صورت حال یہ نہیں ہے چونکہ وہ مجھ میں نرمی دیکھتے ہیں اس لیے وہ سختی کرتے ہیں تاکہ عمل جراحی اور مرہم پٹی کا حسین امتزاج قائم رہے اور امت صلاح کی طرف گامزن ہو، اس کی بین دلیل یہ ہے کہ لیا اوقات جب انھوں نے میرے رویہ میں سختی دیکھی تو خود موم بن گئے اور نرم پالیسی کا مشورہ دیا۔

اس کے بعد آپ نے حضرت عثمانؓ سے بھی مشورہ کیا، حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب کی پوری پوری تائید کی[2] حضرت ابوبکرؓ نے ان دونوں بزرگوں کے علاوہ سعید بن زیدؓ، اسید بن حضیرؓ اور دیگر مہاجرین و انصار سے بھی مشورہ کیا[3]

بعض لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب کو ناپسند کرتے ہوئے کہا کہ عمر جیسے سخت گیر انسان کو اپنا جانشین مقرر کر کے اللہ کو آپ کیا جواب دیں گے؟ حضرت ابوبکرؓ نے ان کی غلط رائے کی ایک لطیف پیرایہ بیان میں تردید کی، فرمایا میں اللہ کو یہ جواب دوں گا کہ میں نے امت کے افضل شخص کو خلیفہ منتخب کیا تھا۔

[1] منہاج السنۃ ج ۱ ص ۱۳۹　[2] تاریخ کامل ج ۲ ص ۱۶۱　[3] طبقات ابن سعد القسم الاول ج ۳ ص ۱۴۱

علامہ ابن قیمؒ کی باریک بیں نگاہ اس معاملہ میں ایک اور باریکی تلاش کر لیتی ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی جانشینی میں حضرت ابوبکرؓ کا صحیح قیاس کارفرما رہا ہے، وہ یہ کہ حضرت ابوبکرؓ نے سوچا کہ ان کا اپنا انتخاب امت کے ارباب حل وعقد میں شامل ہونے کی وجہ سے ہوا تھا اور عمرؓ بھی اسی طبقہ میں شامل ہیں لہٰذا اگر انھیں جانشین مقرر کیا جائے تو امت کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا[1]

لیکن ان تمام پہلوؤں کے ہوتے ہوئے بھی حضرت ابوبکرؓ نے اپنی رائے کو عوام پر قوت و اقتدار کے ذریعہ مسلط نہیں کیا بلکہ عوام کی تائید ہی کے بعد اسے آخری اور قطعی شکل دی، آپ نے مرض الموت میں صحابہ کے ایک مجمع سے خطاب کر کے فرمایا:—

اَیُّھَا النَّاسُ قَدْ حَضَرَنِیْ مِنْ قَضَاءِ اللّٰہِ مَا تَرَوْنَ وَاَنَّہٗ لَابُدَّ لَکُمْ مِنْ رَجُلٍ یَلِیْ اُمُوْرَکُمْ وَیُصَلِّیْ بِکُمْ وَیُقَاتِلُ عَدُوَّکُمْ فَیَأْمُرُکُمْ فَاِنْ شِئْتُمْ اجْتَمَعْتُمْ فَائْتَمَرْتُمْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ عَلَیْکُمْ مَنْ اَرَدْتُمْ وَاِنْ شِئْتُمْ اجْتَھَدْتُ لَکُمْ رَاْیِیْ وَوَاللّٰہِ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ لَا اٰلُوْکُمْ فِیْ نَفْسِیْ خَیْرًا

لوگو، جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو مجھ تک اللہ کا فیصلہ آپہنچا ہے۔ میرے بعد تم لوگوں کے لیے ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو تمہارے کاموں کا سرپرست اور نگراں ہو اور نماز میں تمہاری امامت کرے اور تمہارے دشمن کا مقابلہ کرے اور تم پر حکومت کرے اگر تم چاہو تو آپس میں مشورہ سے جسے چاہو خلیفہ منتخب کر سکتے ہو اور اگر تمہاری خواہش ہو تو میں کسی کو خلیفہ مقرر کرنے کی کوشش کروں، بخدا میں اس سعی و جہد میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کروں گا۔

اس کے بعد خوف قیامت سے حضرت ابوبکرؓ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور آپ کے ساتھ سارا مجمع رو پڑا اور سب نے بیک آواز کہا:—

اَنْتَ خَیْرُنَا وَاَعْلَمُنَا فَاخْتَرْ لَنَا قَالَ سَاَجْتَھِدُ رَاْیِیْ وَاَخْتَارُ لَکُمْ خَیْرَکُمْ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ[2]

آپ ہم میں سے بہتر اور ہم سے زیادہ واقف کار ہیں لہٰذا آپ اپنی صوابدید کے مطابق خلیفہ منتخب کیجیے یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے کہا اچھا تو میں اس سلسلہ میں غور کروں گا اور تم میں سے بہتر شخص کو تمہارا خلیفہ مقرر کروں گا۔

•

ان تصریحات کی موجودگی میں اور نمائندگان امت کو مطمئن کر چکنے کے بعد کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ

[1] اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۸۷ ۔ [2] الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۱۹

انتخاب عوام کی مرضی سے روبعمل نہیں آیا؟ اگر عوام کی مرضی مطلوب نہ ہوتی تو ابوبکرؓ کبھی یہ نہ کہتے کہ "اگر چاہو تو تم خود اپنا حاکم مقرر کر لو۔"

حضرت عمرؓ کے تقرر پر صرف ایک اعتراض ہو سکتا تھا اور وہ تھا ان کی سختی، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیان سے اس کی تردید کر دی اور خود حضرت عمرؓ کی بھی اپنے بارے میں بالکل یہی رائے تھی ایک موقع پر فرماتے ہیں "گر دورِ رسالت میں مجھ میں جو شدت تم لوگ محسوس کرتے تھے اس کی وجہ آں حضرت کی لینت تھی۔"[1]

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آپ کے تقرر کی کسی نے بھی مخالفت نہیں کی ایک وقت عبداللہ بن عباس نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ "آپ کی خلافت کے بارے میں دو آدمیوں نے بھی اختلاف نہیں کیا۔"[2]

حضرت عثمانؓ کی بیعت

خلیفۂ سوم حضرت عثمانؓ کا انتخاب شورائیت کا مظہرِ اتم تھا، جیسے کہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ اس دور میں بارِ خلافت صرف مہاجرین قریش ہی برداشت کر سکتے تھے کسی دوسرے شخص پر امت کا اجماع دشوار تھا۔ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جب تک اہلِ بدر میں کا ایک فرد بھی باقی ہے تو خلافت ان ہی میں رہے گی پھر اصحاب احد اس کے مستحق ہوں گے جب تک ان میں کا ایک شخص بھی زندہ ہے کسی دوسرے کو یہ حق نہیں مل سکتا اس کے بعد حسب مراتب لوگ اس ذمہ داری کے اہل قرار پائیں گے۔ فتح کے بعد ایمان لانے والوں کا اس میں کوئی حق نہیں ہوگا[3]، یعنی قوم خلافت کے سلسلہ میں لوگوں کی قربانیوں اور اسلام سے اُن کے دیرینہ تعلق کو دیکھے گی، بلا استحقاق پیدا کیے کوئی شخص اس عظیم منصب کا اہل نہیں قرار پا سکتا۔

حضرت عمرؓ سے ان کے آخری لمحاتِ حیات میں صحابہ کرام نے مطالبہ کیا کہ آپ اپنا جانشین مقرر کر جائیے[4] اور خود حضرت عمرؓ کی نگاہ میں حضرت علیؓ کی شخصیت اپنی گوناگوں صلاحیتوں کی وجہ سے اس عظیم ذمہ داری کی مستحق تھی اور ان کا تقرر امت کے حق میں آپ بہتر سمجھتے تھے[5]...... کیونکہ حضرت علیؓ سابقین میں سے تھے، اصحابِ بدر میں تھے اور ساتھ ہی ساتھ آسمانِ علم و فضل کے نیرِ درخشاں اور خدا ترسی میں ضرب المثل تھے۔ آپ کے فرزند عبداللہؓ نے بھی حضرت علیؓ کی جانشینی کا مشورہ دیا تھا[6] لیکن اس مطالبہ اور اہل تر شخص کے ہوتے ہوئے بھی آپ نے کسی کو خلیفہ بنانے سے انکار کر دیا اور عبداللہ بن عباسؓ سے ایک مرتبہ فرمایا میری طرف سے تین باتیں محفوظ کر لو جن میں سے ایک یہ ہے کہ میں نے اپنے بعد کسی کو خلیفہ نہیں بنایا[7]۔ اس کے بجائے آپ نے

---

[1] مستدرک حاکم ج ۱ صـ ۱۳۶، [2] کتاب الخراج صـ ۶، [3] طبقات ابن سعد القسم الاول ج ۳ صـ ۲۲۸ [4] صحیح بخاری کتاب الاحکام باب الاستخلاف، [5] تاریخ طبری، تاریخ کامل ج ۳ صـ ۲۸ ۔ [6] استیعاب ابن عبد البر تذکرہ عمرؓ۔ [7] طبقات ابن سعد ج ۳ صـ ۲۵۶

یہ کام علی، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم پر مشتمل ایک کمیٹی کے حوالے کر دیا کہ وہ غور و فکر کے بعد اپنے میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کر لیں[1]۔ یہ اُمت کے چیدہ افراد تھے، جن کا حسنِ سیرت اور شرف و کمال مسلّم تھا اور جن کے تقویٰ اور خدا ترسی کا یہ عالم تھا کہ زبانِ رسالت ان کے جنتی ہونے کی اسی دنیا میں بشارت دے چکی تھی[2]۔ اور ان افراد پر امت کے اعتماد کا یہ عالم تھا کہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:—

إِنِّي قَدْ نَظَرْتُ لَكُمْ فِي أَمْرِ النَّاسِ فَلَمْ أَجِدْ عِنْدَ النَّاسِ شِقَاقًا إِلَّا أَنْ يَكُونَ مِنْكُمْ فَإِنْ كَانَ شِقَاقٌ فَهُوَ لَكُمْ[3]

میں نے تمہارے سلسلہ میں لوگوں کے خیالات کا جائزہ لیا، پس میں نے لوگوں کے اندر تمہارے بارے میں کسی قسم کا اختلاف نہیں پایا الا یہ کہ اختلاف خود تمہارے درمیان پھوٹ پڑے۔ لہٰذا اگر اختلاف ہو جائے تو تمہاری وجہ سے ہوگا۔

حضرت عمرؓ نے اس کمیٹی کو حکم دیا کہ وہ بعض دیگر اکابرِ امت مثلاً عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت حسنؓ کو بھی شریک مشورہ کرے لیکن ساتھ ہی یہ بھی تصریح کر دی کہ ان کی حیثیت محض مشیروں کی ہے۔ خلافت کا بار مذکورہ بالا چھ افراد ہی میں سے کوئی سنبھالے گا[4]۔ کیونکہ خلافت کا ان افراد سے ہٹ جانا امت کے انتشار کا سبب بن سکتا ہے۔

مہاجرین پر مشتمل اس کمیٹی کے تعین کے بعد مشہور صحابی حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کو حکم دیا کہ "تم اپنی قوم (انصار) کے پچاس منتخب اشخاص کے ذریعہ اس کمیٹی کو مجبور کر دو کہ وہ تین دن کے اندر اپنے میں سے کسی کو امیر منتخب کر لے[5]۔"

حضرت عمرؓ کے انتقال کے بعد ان چھ افراد کی کمیٹی کے اجلاس ہوتے رہے اور تین دن تک بحث و تمحیص ہوتی رہی لیکن کوئی بات طے نہیں پائی یہ دیکھ کر عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کمیٹی کے افراد سے دریافت کیا کہ کیا آپ لوگوں میں سے کوئی دوسرے کے لیے اپنے حقِ خلافت سے دستبردار ہو سکتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں حضرت زبیرؓ نے فرمایا میں حضرت علیؓ کے حق میں اپنا ووٹ دیتا ہوں اور حضرت طلحہؓ حضرت عثمانؓ کے حق میں اور حضرت سعدؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے حق میں اپنے حقوق سے دستبردار ہو گئے۔

---

[1] مشکوٰۃ کتاب المناقب بحوالہ بخاری [2] مشکوٰۃ کتاب المناقب بحوالہ ترمذی ابن ماجہ [3] طبقات ابن سعد ج ۳ صـ ۲۴۹، [4] الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ صـ ۲۵، [5] طبقات ابن سعد ج ۳ صـ ۲۴۲ تاریخ کامل ج ۳ صـ ۲۸ ، [6] الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ صـ ۲۵

اس کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ نے کہا کہ میں آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے خلافت کی کوئی ضرورت نہیں، کیا آپ لوگ مجھے حکم ماننے کے لیے تیار ہیں؟ حضرت علیؓ نے فوراً کہا ہاں میں آپ کو حکم تسلیم کرتا ہوں آپ جو بھی فیصلہ کریں گے میرے لیے قابلِ قبول ہوگا۔[۱] اسی طرح کمیٹی کے دوسرے ارکان نے بھی آپ کو اپنا حکم مان لیا۔[۲]

بحث کے یہاں تک پہنچ جانے کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے ناموں کو قوم کے روبرو پیش کیا تاکہ ان کی مرضی معلوم کی جا سکے۔ مدینہ یوں بھی مہاجرین و انصار کا مرکز تھا، لیکن حضرت عمرؓ کی شہادت کی وجہ سے اور نئے خلیفہ کے انتخاب سے واقف ہونے کے لیے مختلف علاقوں کے گورنر اور بہت سارے شہروں کے سردار اور معزز افراد مدینہ میں جمع ہو گئے تھے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ نے ان تمام کا عندیہ معلوم کرنے کی سعی کی۔ اہل الرائے حضرات سے صلاح و مشورہ کیا اور عام لوگوں سے محض ان کی رائے دریافت کی جس کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اکثریت حضرت عثمانؓ کے حق میں ہے، دوسرے دن آپ نے تمام مہاجرین و انصار کو مسجد میں جمع کیا اور تقریر کی کہ میں نے رائے عام دریافت کرنے کی حتی الوسع کوشش کی جس کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اکثریت حضرت عثمانؓ کے حق میں ہے اور ان کو اپنا امیر تسلیم کرنے پر آمادہ ہے۔ لہٰذا میں قلادۂ خلافت حضرت عثمانؓ کی گردن میں ڈال رہا ہوں، اس اعلان کے سنتے ہی سب سے پہلے پیش قدمی کر کے حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر دوسرے لوگ بھی مسلسل بیعت کرنے لگے۔[۳]

علامہ ابن اثیرؒ کے الفاظ میں تمام اہلِ شوریٰ نے حضرت عثمانؓ کی بیعت پر اجماع کیا۔[۴] اس سے بھی آگے بڑھ کر حضرت امام احمد بن حنبلؒ جن کی نظر آثار و سنن پر نہایت وسیع رہی ہے تصریح کرتے ہیں کہ "حضرت عثمانؓ کی بیعت پر جس قدر اجماعِ عام ہوا اتنا اجماعِ عام خلفائے راشدین میں سے کسی کی بیعت پر نہیں ہوا۔"[۵]

---

[۱] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۱۔ [۲] الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۲۵۔ [۳] طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۴۳، البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۱۴۶۔ حافظ ابن کثیرؒ نے ان روایات پر سخت تنقید کی ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کا اعلان سنتے ہی حضرت علیؓ غضبناک ہو گئے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا کہ تم نے محض قرابت داری کا خیال کیا اور اس امید پر کہ عثمان کے بعد خود خلیفہ بن جاؤ عثمان کو خلیفہ مقرر کیا ہے، چنانچہ یہ کہہ کر آپ مجلس سے واپس ہونے لگے اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے پکار پکار کر کہا وَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ (باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت علیؓ کی بیعت

حضرت عثمانؓ کے دورِ آخر میں مملکتِ اسلامیہ میں اضمحلال اور انتشار رونما ہو گیا تھا اور اچھا خاصا ایک فاسد عنصر ملک میں ہنگامہ سازی اور فتنہ خیزی کے درپے ہو گیا تھا جس کے نتیجہ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کا المناک سانحہ پیش آیا۔ اس حادثۂ عظیم سے ملک کی چولیں ڈھیلی ہو گئیں اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک افراتفری اور بدنظمی پھیل گئی، اس طوفان کو فرو کرنا اور حالات کو اپنے اصل محور پر لانا زہرہ گداز کام تھا، ایسے پُرہول اور نازک حالات میں خلیفۂ چہارم حضرت علیؓ کا انتخاب عمل میں آیا۔

ہم گذشتہ صفحات میں حضرت علیؓ کی بیعت کی طرف چند اجمالی اشارات کر چکے ہیں جن سے اس امر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اربابِ حل و عقد کی اکثریت نے آپ کو حقِ خلافت عطا کیا تھا۔

حضرت عمرؓ نے جن چھ افراد کو امت کا نمائندہ قرار دیا تھا ان میں حضرت علیؓ کے علاوہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اس وقت موجود تھے، حضرت علیؓ نے ان سے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کروں یا تم میرے ہاتھ پر بیعت کر لو، دونوں نے جواب دیا ہم آپ ہی کو خلافت کا مستحق سمجھتے ہیں۔[۱]

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیؓ کے انکار کے باوجود مہاجرین و انصار نے بے حد اصرار سے آپ کو خلیفہ منتخب کیا۔[۲] ابن سعد کے بیان کے مطابق۔

جَمِيعُ مَنْ كَانَ بِالْمَدِينَةِ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ وَغَيْرِهِمْ[۳]

مدینہ کے تمام لوگوں نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی جن میں اصحابِ رسول اور دیگر اصحاب شامل تھے۔

مہاجرین میں صرف دو ہی چار افراد کے نام ملتے ہیں جنھوں نے حضرت علیؓ کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا تھا انصار کے متعلق علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں۔

وَبَايَعَتِ الْأَنْصَارُ إِلَّا نَفَرًا يَسِيرًا[۴]

ایک بہت ہی مختصر گروہ کے علاوہ تمام انصار نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) اس وعید کو سن کر حضرت علیؓ واپس ہوئے اور بادلِ ناخواستہ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حافظ موصوف نے لکھا ہے کہ یہ روایات مجہول الحال اشخاص سے مروی ہیں اس لیے قابلِ قبول نہیں ہیں۔ [۴] تاریخ کامل ج ۳ ص ۳۶ [۵] منہاج السنۃ ج ۳ ص ۱۹۳

[۱] تاریخ طبری ج ۵۔ تاریخ کامل ج ۳ ص ۸۰ [۲] طبری ج ۵ ص ۱۵۲، [۳] طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۳۱ [۴] تاریخ کامل ج ۳ ص ۸۰

اور ان بیعت نہ کرنے والوں میں بیشتر افراد اسی وجہ سے بیعت کرنے میں پس و پیش کر رہے تھے کہ امت کی مرضی جاننا چاہتے تھے۔ اگر تمام ممالک اسلامیہ میں بیعت ہو جائے تو وہ بیعت کرنے کیلئے آمادہ تھے۔

چاروں خلفاء کے انتخاب کی تفصیل کے بعد ہم اس دور کے اور دو چار واقعات پیش کرنا چاہتے ہیں جن سے اسلام کے نظامِ شورائیت کے سمجھنے میں بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔

مانعینِ زکوٰۃ سے قتال حضرت ابوبکرؓ کے دو فیصلوں کے متعلق عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ نے اہلِ شوریٰ کے مشوروں کو نظر انداز کر دیا اور اپنی انفرادی رائے کو اربابِ حل و عقد کی رائے پر ترجیح دی جن میں سے پہلا واقعہ مانعینِ زکوٰۃ سے جنگ کا ہے۔ آئیے ہم اس واقعہ کی حقیقت حدیث و تاریخ کی کتابوں میں تلاش کریں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب کے چاروں طرف ارتداد کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ان مرتد قبائل میں بعض وہ قبیلے تھے جنھوں نے صاف صاف دینِ اسلام کا قلادہ ہی اپنی گردن سے اتار پھینک دیا تھا، بعض نے زکوٰۃ کی فرضیت سے انکار کیا اور بعض نے اس کی فرضیت سے تو انکار نہیں کیا البتہ ادائیگی زکوٰۃ سے مکر گئے ——— ان تینوں ہی طبقات کے خلاف حضرت ابوبکرؓ نے علمِ جہاد بلند کرنا چاہا۔ پہلے گروہ کے بارے میں صحابہ کے درمیان کسی قسم کا اختلاف نہیں تھا لیکن دوسرے اور تیسرے گروہ کے خلاف تلوار اٹھانے میں بعض صحابہ کو پس و پیش تھا جن میں حضرت عمرؓ کی ذاتِ گرامی سب سے آگے تھی۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ ایک شخص کلمۂ توحید کا اقرار کرکے دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے اور یہ منکرینِ زکوٰۃ کلمۂ توحید کا تو اقرار کرتے ہیں اور دعوئے مسلمانی پر قائم ہیں پھر کیسے ان کے خلاف قوت استعمال کی جائے؟ چنانچہ آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا۔

كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ فَمَنْ قَالَهَا فَقَدْ عَصَمَ مِنِّيْ مَالَهٗ وَنَفْسَهٗ إِلَّا بِحَقِّهٖ وَحِسَابُهٗ عَلَى اللهِ (رواہ الجماعۃ الا ابن ماجۃ)	آپ ان لوگوں سے کیسے جہاد کر سکتے ہیں؟ حالانکہ رسول اللہؐ نے کہا ہے کہ مجھے لوگوں سے جنگ کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ کلمۂ توحید کا اقرار کریں اگر انھوں نے ایسا کیا تو اپنی جان و مال کو محفوظ کر لیا۔ الا یہ کہ اسلام ہی کا حق ان کی جان و مال کا مطالبہ کرے اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ مجرد کلمۂ توحید کا اقرار کافی نہیں ہے بلکہ اپنی جان و مال کے تحفظ کے لیے اس کے

دو اہم تقاضوں کی تکمیل بھی ناگزیر ہے جن میں سے ایک نماز ہے جو خدائے تعالیٰ کے عطا کردہ نفسی و جانی عطیوں کا حق ہے اور دوسرا تقاضا زکوٰۃ ہے جو مالی انعامات کا حق ہے، ان دونوں کی اہمیت ایک سی ہے لہٰذا ان دونوں کو کسی صورت سے جدا نہیں کیا جا سکتا، اسی وجہ سے قرآن پاک نے ہمیشہ ان دونوں کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے جس طرح نماز کے منکرین کے خلاف جہاد کیا جائے گا اسی طرح زکوٰۃ کے مانعین کے خلاف بھی جہاد کیا جائے گا۔ دونوں کے درمیان تفریق کا ہمیں کوئی حق نہیں ہے۔

ابن قتیبہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے دعووں کے ثبوت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بھی پیش کی تھی جس میں صاف تصریح کی گئی ہے کہ جان و مال کی ضمانت نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے ساتھ مشروط ہے۔

ان دلائل کے سامنے آنے کے بعد حضرت عمرؓ بے اختیار بول اٹھے "خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کے سینے کو کھول دیا ہے اور اب میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ حضرت ابوبکرؓ ہی کی رائے برحق ہے اور فرطِ مسرت سے بے اختیار حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ کو بوسہ دینے لگے۔

ان تصریحات سے یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی انفرادی رائے پر عمل نہیں کیا تھا بلکہ دلائل کی قوت سے دوسروں کو اپنی ہمنوائی پر مجبور کیا تھا۔

جیشِ اسامہؓ دوسرا واقعہ جیشِ اسامہؓ کی روانگی سے متعلق ہے جس کے بارے میں بھی یہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اہل الرائے کے مشورہ کو ٹھکرا دیا اور اپنی ذاتی رائے کو نافذ کیا۔ یہ غلط فہمی تاریخ سے ناواقفیت کے باعث پیدا ہوئی ہے۔

جیشِ اسامہؓ کو حضرت ابوبکرؓ نے نہیں بلکہ آنحضرتؐ نے ترتیب دیا تھا لیکن اس لشکر کو اپنی مہم پر بھیجنے سے قبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا سانحہ پیش آ گیا اور حضرت ابوبکرؓ کو بارِ خلافت سنبھالنا پڑا۔ ملک کے حالات کے پیشِ نظر صحابہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ اس لشکر کو محاذِ جنگ پر نہ بھیجا جائے اور اس جنگی قوت سے ملک کے داخلی فسادات کو فرو کرنے میں مدد لی جائے، لیکن حضرت ابوبکرؓ کے لیے یہ ناممکن تھا کہ ایک ایسے مؤکد کام کی تکمیل سے باز آتے یا کم از کم مؤخر کر دیتے جس کے سرانجام دینے پر نبیؐ نے مرض الموت میں بھی بار بار زور دیا ہو۔ چنانچہ جس وقت حضرت عمرؓ نے آپ سے اس مہم کو روکنے کی درخواست کی تو آپ نے جواب دیا "اگر سارا عرب اسلام سے منحرف بھی ہو جائے اور ان کے مقابلے کے لیے سوائے

لہ الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۱۸

میرے اور کوئی باقی نہ رہے تو بھی میں اس لشکر کو روانہ کرنے سے باز نہیں آ سکتا خواہ اس کے نتیجہ میں مجھے پرندے نوچ نوچ کر کیوں نہ کھا جائیں"۔

حضرت ابوبکرؓ کی اس پُرعزم تقریر سے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے حقیقت حال منکشف ہو گئی اور لوگ مطمئن ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے لوگوں کے اس مطالبہ کا تذکرہ کیا کہ فوج کے کمانڈر اسامہ بن زیدؓ کو بدل کر کسی دوسرے بلند مرتبہ اور تجربہ کار شخص کو فوج کا قائد متعین کیا جائے کیونکہ فوج کے معزز حضرات کے لیے ایک نوجوان اور غلام زادہ شخص کی قیادت میں جنگ کرنا کسی قدر توہین اور ذلت کا سبب ہے۔ لیکن اس کی تعمیل بھی حضرت ابوبکرؓ کے لیے ناممکن تھی کیونکہ اس نوجوان قائد کا انتخاب بھی خود آنحضرتؐ نے کیا تھا اور ابن جریر طبری کے بیان کے مطابق[1] آنحضرتؐ کے اس انتخاب پر منافقوں نے طعن و تشنیع بھی کی تھی[2] لیکن اس کے باوجود آنحضرتؐ نے اسامہؓ ہی کو قائد منتخب کیا اور تنقید کرنے والوں سے خطاب کر کے کہا۔

إِنْ تَطْعَنُوْنَ فِيْ إِمَارَتِهِ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعَنُوْنَ فِيْ إِمَارَةِ أَبِيْهِ مِنْ قَبْلُ وَأَيْمُ اللّٰهِ وَإِنْ كَانَ لَخَلِيْقاً لِلْإِمَارَةِ وَإِنْ كَانَ لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ وَإِنَّ هٰذَا مِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ بَعْدَهُ

اگر تم اسامہ کی امارت پر طعن کرتے ہو تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے تم نے اس سے پہلے اس کے باپ کی امارت پر بھی تنقید کی تھی حالانکہ قسم بخدا اس کا باپ امارت کا اہل تھا اور وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔

خاندانی شرف کو اہلیت و عدم اہلیت کا معیار قرار دینا اور نبی کے طے کردہ فیصلہ پر طعن و تشنیع کرنا سوائے منافقین کے اور کس کا کردار ہو سکتا ہے؟ اس ذہنیت کا استیصال اسلام کے اہم مقاصد میں سے ہے، اسلام کے نزدیک کسی معروف خاندان سے تعلق رکھنا، کسی متمول باپ کا لڑکا ہونا وجہِ شرف نہیں ہے بلکہ اس کے نزدیک تفوق و برتری انسان کی ذاتی صلاحیت اور اس کے حسنِ عمل پر ہے، منافقین کی تنقید اسلام کے اس اصول سے متناقض تھی، نہ نبی اس ذہنیت کے روبرو سرِ خم کر سکتا تھا نہ اس کا کوئی سچا جانشین، اگر اس ذہنیت کی پرچھائیں بھی کہیں نظر آ رہی تھی تو جانشینِ نبی کا یہ فرض تھا کہ وہ اس کی اصلاح کرتا چنانچہ جس وقت بعض صحابہ کے دل و خیال میں یہ خیال پیدا ہوا کہ فوج اسامہؓ کی قیادت پر شاید مطمئن نہ ہو اس لیے اسامہؓ کی جگہ اکابر صحابہ میں سے کسی اور کو منتخب کیا جائے اور انھوں

[1] تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۸۹ ، [2] صحیح بخاری کتاب المغازی باب بعث النبی اسامۃ بن زید فی مرضہ ،

نے حضرت عمرؓ کے ذریعہ حضرت ابوبکرؓ تک یہ بات پہنچائی تو صدیق اکبرؓ طیش میں آ گئے اور فاروقِ اعظمؓ سے کہا

ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ وَعَدِمَتْكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ اسْتَعْمَلَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَتَأْمُرُنِيْ أَنْ أَنْزِعَهُ [1]

اے ابن خطاب تیری ماں تجھے گم کر دے۔ رسول اللہ نے اسے قائد مقرر کیا ہے اور تو مجھے اسے برطرف کرنے کا مشورہ دیتا ہے

ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ صدیق اکبرؓ کے سامنے ایک طرف عوام کے مطالبات تھے اور دوسری طرف اسلام کے اصول اور اللہ کے رسول کی ہدایات تھیں، حضرت ابوبکرؓ کے لیے دوسرا پہلو اختیار کیے بغیر اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ جب حقیقتِ حال واضح ہو گئی تو مومنین، صادقین نے حضرت ابوبکرؓ کی نہ صرف موافقت کی بلکہ دل و جان سے آپ کا ساتھ دیا۔

ارضِ سواد کی تقسیم[2]

اسلامی قانون کے مطابق جو اشیاء اسلامی فوج کے قبضہ میں آ جائیں انھیں سپاہیوں کے درمیان تقسیم کر دینا چاہیے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عراق فتح ہوا اور آپ نے مالِ غنیمت اسلامی فوج کے درمیان تقسیم کر دیا لیکن زمین کے متعلق یہ رائے دی کہ اسے تقسیم نہ کیا جائے بلکہ ملکی ضروریات کی تکمیل کے لیے ریاست کے قبضہ میں رکھا جائے، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے بھی آپ کی رائے کی تائید کی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور بلال رضی اللہ عنہما نے اس رائے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ زمین اور مال دونوں کی ایک ہی حیثیت ہے جب مال تقسیم کر دیا گیا تو زمین کی تقسیم کے بارے میں کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی۔ امام زہریؒ کے قول کے مطابق عام لوگ شروع میں ان ہی بزرگوں کے ہم خیال تھے۔

حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ قرآن کے بیان کے مطابق بعد میں آنے والی نسلوں کو بھی اس مال سے حصہ ملنا چاہیے اگر یہ مال آج فوجیوں کے درمیان تقسیم کر دیا گیا تو ان کی اولاد اس کی وارث ہو جائے گی اور عام لوگ اس سے متمتع نہیں ہو سکتے۔ علاوہ ازیں آئے دن ریاست کو بہت ساری ایسی ضروریات پیش آتی رہتی ہیں جن کی تکمیل مال کے بغیر ناممکن ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عمرؓ کے اس استدلال کو تسلیم نہیں کیا اور کہا کہ مستقبل کے موہوم خطرات کو سامنے رکھ کر ان جانبازوں کو محروم کرنا صحیح نہ ہوگا جنھوں نے اپنی جانیں جوکھم میں ڈال کر عراق فتح کیا ہے۔ بہرحال حضرت عمرؓ کی شوریٰ میں کئی دن تک یہ بحث جاری رہی اور کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکی جس کے بعد

[1] الصدیق تالیف محمد حسین ہیکل ص ۱۰۳ ، [2] یہ تفصیل امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج کے مختلف مقامات سے لی گئی ہے۔

حضرت عمرؓ نے مہاجرین و انصار کے نمائندوں کو طلب کیا اور ان کے روبرو ایک جامع و مانع تقریر کی جس میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت بلالؓ کی رائے پیش کی اور اپنی رائے کو بھی دلائل و براہین کے ساتھ نمائندوں کے سامنے رکھ دیا اور کہا کہ اگر ملک کے لیے مستقل آمدنی کے ذرائع مسدود ہو جائیں تو ملک مشکلات سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا اس لیے ضروری ہے کہ مقبوضہ زمین مملکت کے قبضہ ہی میں رہے اور اس کے قدیم باشندوں ہی کو بٹائی پر کام کرنے کا موقع دیا جائے۔ حضرت عمرؓ کے دلائل سے قوم کے نمائندے مطمئن ہو گئے اور آپ کی رائے کی توثیق کی۔

اسی نمائندہ مجلس میں آپ نے یہ مسئلہ بھی اٹھایا کہ کس شخص کو ان مقبوضہ زمینات کا نگراں مقرر کیا جائے، لوگوں نے حضرت عثمان بن حنیفؓ کا مشورہ دیا اور وہ نگراں مقرر کیے گئے۔ (باقی)

بقیہ جدہ سے مکہ معظمہ

بال کم کرا دوں گا۔ اور حج کے موقع پر سر منڈا دوں گا تاکہ مجھے حلق اور تقصیر دونوں کا ثواب حاصل ہو سکے۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ بس ایک ترمیم اس میں کی وہ یہ کہ مدینہ منورہ سے واپسی کے موقع پر ایک عمرہ کی سعادت ہمیں اور حاصل ہو گئی تو میں نے یہ کیا کہ پہلے عمرہ کے موقع پر بال قینچی سے کم کرا دیے۔ دوسرے عمرہ کے موقع پر مشین سے ترشوا دیے اور حج کے موقع پر پورا سر گھٹا دیا۔

حجامت بنوا چکنے کے بعد ہم احرام اور عمرہ کی ذمہ داریوں سے فارغ ہو گئے۔ اور اس بات سے جو خوشی ہو سکتی ہے، بالخصوص ہم جیسے نوبیدوں کو وہ ہوئی۔ یہ ساری رات آنکھوں میں کٹی لیکن یہ اسی خوشی ہی کا فیض تھا کہ الحمدللہ طبیعت برابر چاق چوبند رہی۔ کسی تکان کا احساس نہیں ہوا۔

اب اذانِ فجر کا وقت قریب تھا۔ ہم معلم صاحب کے مکان پر آئے تاکہ نہا دھو کر اور کپڑے بدل کر نماز فجر کی جماعت میں شریک ہو سکیں۔ ہم نے اپنے حد تک پوری کوشش کی، لیکن انتہائی کوشش کے باوجود جب حرم پہنچے تو جماعت ہو چکی تھی۔ اس حادثہ کا بڑا صدمہ ہوا۔

اطلاع

• خط و کتابت کرتے وقت پتہ صاف اور مکمل تحریر فرمادیں

منیجر میثاق لاہور

مراسلہ و مذاکرہ

امین احسن اصلاحی

تضاد یا غلط فہمی!

سوال :- اکتوبر، نومبر اور دسمبر کے میثاق کے شماروں میں تذکرہ و تبصرہ کے تحت آپکی ساری بحث غور سے پڑھی۔ اور موجودہ دور میں کام کرنے کی تدابیر پڑھ کر اطمینان حاصل ہوا۔ مگر اس ساری بحث کا جوہر اور خلاصہ میں نے یہی سمجھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے طریقۂ اصلاح کو اس دور کے سیاسی نظام سے کوئی خاص غرض نہیں ہوتی۔ جب ایک خاص مدت کے بعد خود بخود وہ سیاسی نظام دعوت کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ اس لیے اسلامی نظام برپا کرنے والوں کو سیاسی نظام کی پروا نہیں کرنی چاہیے اور نہ ہی اپنی قوتیں اس کام پر ضائع کرنی چاہئیں کہ سیاسی اقتدار بھی اسلام پسند بلکہ اسلام کے ہاتھوں میں آئے۔ اگر ایسا کیا جائے گا تو وہ انبیاء کے طریقہ سے مختلف ہوگا۔ اور بالکل بے اثر اور بے نتیجہ ہوگا۔

اسی دوران میں ۲۷ دسمبر سنہ ۶۰ء کے ...... لاہور کے شمارہ ۴۹ جلد نمبر ۹ میں آپ کا ایک مضمون کارِ نبوت اور طریق نبوت کے تحت شائع کیا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ ایڈیٹر نے یہ حوالہ نہیں دیا کہ یہ مضمون آپ کی کونسی کتاب سے ہے۔ یا کسی تقریر کا کوئی حصہ ہے لیکن یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ مضمون سرے سے آپکا ہے ہی نہیں۔ بہرحال یہ مضمون پڑھ کر آپکے خیالات کا تضاد سخت اضطراب میں ڈالتا ہے۔ بار بار میثاق کو اور ...... میں شائع شدہ مضمون کو پڑھا ہے۔ مگر تضاد اور زیادہ واضح ہی ہوتا گیا۔ کیا آپ میری اس مشکل میں رہنمائی فرمائیں گے تاکہ یکسوئی سے کوئی کام کیا جا سکے، کیونکہ عمل میں قوت و استحکام ذہنی یکسوئی ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ خاص طور پر ...... میں شائع شدہ مضمون کا یہ فقرہ کہ :-

"...... اسی وجہ سے ہم سب سے پہلے اس نظامِ فکر سے پنجہ آزمائی کرنا ضروری سمجھتے ہیں"

جس پر وقت کا سیاسی نظام قائم ہے اور اس کو توڑ چھوڑ کر ایمان باللہ۔ ایمان بالرسول اور ایمان بالآخرت کی اساس پر قائم کرنا چاہتے ہیں؟۔

میثاق پڑھنے سے جو ذہنی کشمکش پیدا ہوئی تھی۔ وہ اب ختم ہوگئی ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی کبھی کبھی سخت پریشان کرتی تھی کہ ممکن ہے آپ اور آپکے دوسرے ساتھی صحیح فرماتے ہوں اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نے موقف تبدیل کرلیا ہو۔

مگر اب ماہنامہ ۔ ۔ ۔ ۔ پڑھنے کے بعد بے حد افسوس ہوا ہے کہ در اصل جماعت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی بلکہ آپکے اندر ایک انقلاب پیدا ہوا ہے اور آپ اب بالکل ایک مخالف اور متضاد سمت میں گامزن ہیں۔ اور مجھے بڑے دکھ اور افسوس کے ساتھ "الفضل" کی رائے سے اتفاق کرنا پڑتا ہے۔

جواب: مجھے افسوس ہے کہ آپنے میرے مضمون کو بار بار پڑھنے کے باوجود بھی میری بات نہیں سمجھی۔ میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ جو لوگ انبیاء علیہم السلام کے طریقہ پر کام کرتے ہیں انھیں وقت کے سیاسی نظام سے کوئی بحث ہی نہیں ہوتی۔ بحث تو ہوتی ہے لیکن انھیں پہلے اُس فکری اساس سے بحث ہوتی ہے جس پر وقت کا سیاسی نظام قائم ہوتا ہے۔ وہ پہلے اس کو درست کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسی کی درستگی کو وقت کے سیاسی نظام کی درستگی کا ذریعہ بناتے ہیں۔

یہ حقیقت آپ سے مخفی نہیں ہوسکتی کہ کوئی نظام سیاسی بھی ہوا میں معلق نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ اپنی کچھ

عقائدی اور نظریاتی بنیادیں رکھتا ہے جو اس کے حاملین کے دلوں اور دماغوں میں جمی ہوئی ہوتی ہیں۔ اگر آپ اس نظام سیاسی کو اکھاڑنا چاہیں تو اس کے اکھاڑنے کی ہر کوشش اس وقت تک بالکل بے سود ہوگی جب تک آپ لوگوں کے ذہنوں اور دماغوں کے اندر سے اس کی فکری جڑیں نہ اکھاڑ دیں جس درخت کی جڑوں پر کلہاڑا نہ چلایا گیا ہو اول تو اس کا اکھاڑنا ہی ناممکن ہے لیکن اگر کسی مصنوعی کوشش سے آپ بالفرض اس کو کچھ کمزور کر بھی دیں تو یہ یاد رکھیے کہ اس جگہ پر کوئی دوسرا درخت بارآور نہ ہوسکے گا۔ اس کی جڑ سے جب بھی نمودار ہوں گی اسی درخت کی شاخیں نمودار ہوں گی۔

میں نے یہی بات اپنی اُس عبارت سے سمجھانی چاہی ہے جو آپنے ایک اخبار کے حوالہ سے تضاد کی مثال کے طور پر پیش کی ہے۔ اس میں بھی دیکھ لیجیے میں نے جس بات کی دعوت دی ہے وہ یہی ہے کہ ہمیں پہلے اس "نظام فکر" سے پنجہ آزمائی کرنی چاہیے جس پر وقت کا سیاسی نظام قائم ہے اور اس نظام فکر کو ایمان باللہ، ایمان بالرسول اور ایمان بالآخرت کی اساس پر قائم کرنا چاہیے۔ میرا یہ موقف میرے موجودہ موقف کے خلاف تو جب ہوتا جب میں نے یہ کہا ہوتا کہ ہمیں سب سے پہلے وقت کی حکومت سے پنجہ آزمائی کرنی چاہیے اور اب یہ کہنا شروع کردیا ہوتا کہ ہمیں اس نظام فکر سے پنجہ آزمائی کرنی چاہیے جس پر موجودہ سیاسی نظام قائم ہے۔ میں تو شروع سے ایک ہی بات کہہ رہا ہوں کہ جب تک ہمارے ذہین طبقے کے سیاسی و اجتماعی نظریات میں تبدیلی واقع نہ ہوگی اور معاشرہ بحیثیت مجموعی اسلامی عقائد و نظریات کی قدر و قیمت نہ سمجھے گا اس وقت تک سیاسی نظام سے زور آزمائی کی ہر کوشش بے سود اور بے نتیجہ رہے گی۔

اگر آپ حضرات کا خیال یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کے اندر وہ تبدیلی رونما ہوچکی ہے جس کے بعد وقت کے سیاسی نظام سے آپکے لیے پنجہ آزمائی واجب ہوگئی ہے تو میں آپ لوگوں کے اس اندازہ پر آپ کو مبارکباد نہیں دے سکتا۔ آپ حضرات کی بنیادی غلط فہمی یہی ہے کہ آپنے پاکستان بن جانے کے بعد یہ گمان کرلیا کہ اب یہاں اسلامی معاشرہ قائم ہوچکا ہے اس وجہ سے "ووٹروں کے عہدنامہ" کے بل پر یہاں کی وزارتیں اور صدارتیں سنبھال لینی چاہئیں۔ اس غلط فہمی نے آپ لوگوں کو بالکل غلط راستہ پر ڈال دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ سیاسی سرگرمیوں میں اتنے منہمک ہوگئے کہ معاشرہ کی اصلاح کے لیے مثبت طور پر کوئی کام کرنے کا سوال ہی آپ کے ہاں خارج از بحث ہوگیا۔ آپنے یہ خیال کرلیا کہ ووٹ حاصل کرنے کے لیے جو جد و جہد آپ کررہے ہیں یہ بجائے خود اقامت دین کا جہاد ہے اور جس شخص نے آپکے ووٹر کے عہدنامہ پر دستخط کردیئے

وہ ایک مسلم قانت بن گیا۔ یہ انہی خوش گمانیوں کی برکت ہے کہ پچھلے تیرہ چودہ سال کے کاموں کا جائزہ لیجیے (اور بیجا تعصب کو اس میں دخیل نہ ہونے دیجیے) تو آپ کو نظر آئے گا کہ جو کچھ بھی کیا گیا سب نقش برآب ثابت ہوا۔

آپ حضرات تو اپنے خیال میں اس دوران میں اسلام ہی کے لیے مصروف جہاد رہے ہیں اس وجہ سے آپ کو یہی گمان ہوگا کہ پچھلے تیرہ چودہ سالوں میں پاکستان میں بڑا اسلامی انقلاب آگیا ہے لیکن کسی غیر جانبدار سے پوچھ کر دیکھیے تو وہ آپ کو بتائے گا کہ اس دوران میں دوسرے اعتبارات سے پاکستان نے جو ترقی بھی کی ہو لیکن اسلامی اعتبار سے یہاں کا معاشرہ بہت "پیچھے ہٹا ہے" اور برابر نہایت تیزی کے ساتھ پیچھے ہی ہٹتا جا رہا ہے۔ غور کیجیے کہ اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہاں معاشرہ کو اسلامی بنانے کے لیے یا تو کوئی کوشش ہوئی ہی نہیں یا ہوئی ہے تو غلط ہونے کے سبب سے بالکل بے نتیجہ رہی۔

اگر آپ حضرات کا یہ کہنا ہے کہ اس معاشرہ ہی کو اسلامی بنانے کے لیے آپ پہلے حکومت پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں تو شوق سے کیجیے لیکن پھر میری باتوں کے اندر تضاد ڈھونڈنے کے بجائے خود اپنے قول و عمل کے تضاد پر غور کیجیے اس لیے کہ آپ ہی حضرات نے بڑی دھوم دھام سے یہ سبق پڑھایا تھا کہ اسلامی حکومت، اسلامی معاشرہ کے وجود میں آنے سے بنتی ہے۔ اب آپ حضرات کا ارشاد یہ ہے کہ معاشرہ کو اسلامی بنانے کے لیے پہلے حکومت پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔ اگر پہلے حکومت پر قبضہ کرنا ضروری ہے تو ضرور کر ڈالیے میں آپ کا ہاتھ نہیں پکڑتا لیکن "یکسوئی کے ساتھ کام کرنے کے لیے" پہلے اس تضاد کو تو رفع کر لیجیے جو آپ حضرات کے اپنے فکر و فلسفہ میں موجود ہے۔

آخر میں ایک نصیحت بھی آپ کو کرنا چاہتا ہوں بشرطیکہ ایک چھوٹے کی نصیحت کو آپ اپنی ہتک نہ سمجھیں۔ وہ یہ کہ میری معروضات پر آپ اپنی عقل سے غور کرنے کی کوشش کریں۔ ان لوگوں کی باتوں کو زیادہ اہمیت نہ دیں جو لکھتے زیادہ اور سوچتے کم ہیں۔

"المنصف" وغیرہ جس قسم کی داد مجھ کو دیتے ہیں اسی قسم کی داد وہ امام غزالیؒ، مجدد صاحبؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ کو بھی بلکہ خود اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیتے رہتے ہیں۔ اگر آپ ان کی راؤں سے اتفاق کرنے کے معاملہ میں اتنے ہی فیاض ہیں تو آپ کے دین و ایمان کا خدا ہی حافظ ہے۔

سفر حج

امین احسن اصلاحی

جدّہ سے مکہ معظمہ

ہم جس دن جدّہ میں اترے ہمارے معلم کے وکیل نے اسی دن ہمیں مکہ معظمہ بھیجنے کا سامان کر دیا۔ ہمیں اس بات سے بڑی خوشی ہوئی۔ منزلِ مقصود سے اس قدر قریب ہو جانے کے بعد یہ تھوڑی سی دوری جو باقی رہ گئی تھی ہماری طبیعتوں پر بڑی شاق تھی۔ ہمارا دل چاہتا تھا کہ ہم اڑ کر مکہ معظمہ پہنچ جائیں اور بیت اللہ کی زیارت اور عمرہ کی سعادت حاصل کریں۔ اڑ کر پہنچنا اگلے زمانوں میں تو محض ایک استعارہ تھا لیکن اب تو سائنس کی ترقیوں نے اس کو ایک حقیقت بنا دیا ہے۔

ہمارے اضطراب کو دیکھ کر ہمارے معلم کے وکیل نے ہمیں بتایا کہ تاخیر جو کچھ ہے وہ محض اس وجہ سے ہے کہ ابھی آپ لوگوں کا پاسپورٹ پاکستانی سفارت خانہ سے واپس نہیں آیا ہے۔ اس کے واپس آتے ہی آپ روانہ کر دیے جائیں گے۔ اسی اثنا میں مجھے پاکستانی سفارت خانہ کے ایک کارکن ملے۔ انھوں نے فرمایا کہ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو فرمائیے۔ میں نے کہا ہمارے پاسپورٹ جلدی بھجوائیے۔ ہم بلا تاخیر مکہ معظمہ پہنچنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے بشارت سنائی کہ پاسپورٹ معلم کے پاس واپس آ گئے ہیں۔ اپنے سفارتخانہ کی اس مستعدی سے ہمیں بڑی خوشی ہوئی۔ سامان کا جھگڑا نہ ہوتا تو شاید ہم ٹیکسی سے فوراً ہی روانہ ہو جاتے لیکن سامان کی مجبوری کے سبب سے مناسب معلوم ہوا کہ لاری سے چلیں۔

حجاز میں دھوپ اور گرمی کی شدت کے سبب سے سارا سفر رات میں ہوتا ہے۔ عموماً بسیں اپنے مرکزوں سے عصر اور مغرب کے درمیان چلتی ہیں اور ٹھنڈے ٹھنڈے منزلِ مقصود پر پہنچنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اگر یہ ممکن نہیں ہوتا ہے تو آفتاب کی تمازت بڑھتے ہی کسی موزوں مقام پر ڈیرے ڈال دیتی ہیں۔ جدّہ سے بھی حاجیوں کی لاریاں عموماً عصر اور مغرب کے درمیان ہی روانہ ہوتی ہیں۔ حاجیوں کا سامان عموماً زیادہ ہوتا ہے اس وجہ سے اس کا لادنا بھی ایک مشکل کام ہوتا ہے۔ اس کام کو جس غیر معمولی قابلیت اور مہارت کے

ساتھ حجاز کے بسوں والے انجام دیتے ہیں ۔ شاید ہی کہیں کے ڈرائیور اس قابلیت اور مہارت کا ثبوت دے سکیں۔ ہماری بس کے تیار ہونے میں کچھ دیر لگ گئی ۔ اس وجہ سے ہم مغرب کی نماز پڑھ کر جدہ سے روانہ ہو سکے ۔

بس میں بیٹھتے وقت ایک چھوٹے سے واقعہ سے مجھے عرب قوم کے عام مزاج کا اندازہ ہوا ۔ میری اہلیہ نے جب بس کے اندر داخل ہونا چاہا تو پاکستان کے عام قاعدہ کے مطابق ایک دو حاجی صاحبان نے سبقت کرنے کی کوشش کی لیکن کنڈکٹر نے "حرمہ" کہتے ہوئے ان کو سختی سے روکا اور جب تک میری اہلیہ اپنی نشست پر بیٹھ نہیں گئیں، اس نے ان حضرات کی جلد بازی کے باوجود ان کو اندر داخل ہونے نہیں دیا ۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ عرب لوگوں میں جنس ضعیف کے لیے ہمدردی اور احترام کی قدیم روایت اب بھی باقی ہے ۔

مغرب کے بعد تکبیر و تلبیہ کی گونج کے ساتھ گاڑی جدہ سے مکہ معظمہ کے لیے روانہ ہوئی اور ضابطہ کی چند کارروائیوں کے بعد جن میں کچھ زیادہ دیر نہیں لگی، گاڑی شہر کے حدود سے باہر ہو گئی ۔

شہر کے حدود سے نکلتے ہی ڈرائیور نے بخشش کا مطالبہ پیش کر دیا اور یہ مطالبہ اس دھمکی کے ساتھ پیش کیا کہ اگر ہم نے بخشش نہ دی تو وہ گاڑی کو راستہ میں کہیں روک کر سو جائے گا اور اس بات کی اس کو کوئی پروا نہ ہوگی کہ ہم مکہ معظمہ کب پہنچیں گے ۔ ہم دل میں یہ ارمان لیے بیٹھے تھے کہ عشاء کی نماز ہم حرم میں پڑھیں گے لیکن اس دھمکی کے بعد عشاء تو درکنار فجر کی نماز بھی حرم میں پڑھنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا ۔ حجاز میں حاجیوں کا کرایہ ہی اوّل تو عام مسافروں کی نسبت سے کئی گنا ہے ۔ پھر یہ قدم قدم پر بخشش کی مار ان کے لیے مزید براں ہے لیکن اس مصیبت کا کوئی علاج نہیں ہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ حکومت حجاز اس صورت حال سے باخبر بھی ہے اور وہ اس کی اصلاح بھی کرنا چاہتی ہوگی لیکن یہ غالباً ایک لاعلاج مرض ہے یا کم از کم قانون اس کا کوئی علاج نہیں کر سکتا ۔ راستہ میں اگر ڈرائیور لاری کا انجن بگاڑ کر کہیں دھوپ میں مسافروں کو ڈال دے تو کوئی اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے اگر پولیس باز پرس کرے تو وہ کہہ سکتا ہے کہ انجن خراب ہو گیا، میں کیا کروں ۔ اس وجہ سے حاجی بیچارے اسی میں سلامتی سمجھتے ہیں کہ ڈرائیور کا مطالبہ پورا کر کے اپنے آپ کو خراب ہونے سے بچائیں ۔ چنانچہ ہم نے بھی اسی میں سلامتی سمجھی کہ اس کا مطالبہ پورا کر دیا جائے اور جلدی سے جلدی منزل مقصود پر پہنچنے کی کوشش کی جائے ۔ حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب نے تمام مسافروں سے "بخشش" وصول کر کے جب ڈرائیور کے حوالہ کی اور اس نے قبول کر کے اپنے جیب میں ڈال لی تب اس کی دھمکی کا خوف ہمارے دلوں سے دور ہوا ۔

اس خرابی کی اصلاح خواہ کتنی ہی مشکل ہو لیکن اس کی اصلاح ہونا ضروری ہے ۔ سعودی حکومت کا فرض ہے

کہ جس طرح ممکن ہو اس کی اصلاح کرے ۔ قانون کے ذریعہ سے اس کی اصلاح کرنے یا اس کے بجائے عرب قوم کے اسلامی اور قومی ضمیر کو جگایا جائے ۔ دنیا میں شاید ہی کوئی ملک ایسا ہو جہاں کے لوگ اپنے ملک کے باہر کے آنے والوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرتے ہوں ۔ پھر یہاں تو معاملہ صرف باہر سے آنے والوں ہی کا نہیں بلکہ ضیوف اللہ کا ہے جن کے بارہ میں قرآن اور حدیث میں اہل مکہ پر بہت سی ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں ۔ اس خرابی کی اصلاح کا بہترین طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ حاجیوں کو آمدنی کا ذریعہ سمجھنے کا قدیم ذہن عام تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے بدلا جائے ۔ اور عربوں کے اسلامی احساس کو ابھارا جائے ۔ سعودی حکومت کے محکمہ امر بالمعروف والنہی عن المنکر کو اس منکر کی اصلاح کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیے ۔

اس بخشش کی طرف سے مطمئن ہو چکنے کے بعد ڈرائیور نے گاڑی پوری رفتار سے چلائی ۔ یہاں کے ڈرائیور گاڑیاں بہت تیز رفتار سے چلانے کے عادی ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے اونٹ کے بعد ان کو جو موٹریں مل گئی ہیں تو اونٹ کی سست رفتاری کا انتقام وہ موٹروں سے لینا چاہتے ہیں ۔ گاڑیاں عموماً بہت اچھی ہیں اور سواریاں کسی صورت میں بھی حد مقدار سے زیادہ نہیں ہونے پاتیں ۔ راستہ میں بار بار مختلف تھانوں پر جانچ ہوتی رہتی ہے ۔

عرب کے ڈرائیور ہمارے ملک کے ڈرائیوروں کی طرح خاموشی کے ساتھ گاڑی چلانے کے عادی نہیں ہیں ۔ وہ گاڑی چلاتے ہوئے یا تو اپنے ساتھی کے ساتھ پورے جوش و خروش کے ساتھ گفتگو کرتے رہتے ہیں یا پھر مسلسل گاتے رہتے ہیں ۔ اونٹوں کے عہد کی حدی خوانی کی قدیم روایت موٹروں اور لاریوں کے اس عہد میں بھی باقی ہے اور اب تو بہت سی گاڑیوں میں ریڈیو سیٹ بھی لگے ہوتے ہیں ۔ اگر ڈرائیور خود نہیں گانا چاہتے تو مصری اور شامی مغنیات کے گانے سننے کے لیے ان کو کھول لیتے ہیں ۔ بعض مرتبہ ہمیں بھی ان گانوں کے سننے پر مجبور ہونا پڑا ۔ جن عاہرات کے گانے ہم نے اپنے ملک میں کبھی نہیں سنے تھے سفر حج کے موقع پر ان کے سننے پر ہم مجبور رہے ۔

جدہ سے مکہ کا یہ سفر رات میں ہوا ۔ اس وجہ سے اس دیار کی ایک ایک چیز کو دیکھنے کا جو شوق ہمارے دلوں میں تھا وہ پورا نہ ہو سکے ۔ صرف دہنے بائیں کی پہاڑیوں اور ریگستانوں کا کچھ اندازہ ہوتا تھا لیکن اس سے ہمارے ذوق و شوق کی تشفی نہیں ہوتی تھی ۔ راستہ میں ایک قہوہ خانہ کے پاس ڈرائیور نے بس روکی ۔ ہم عشاء کی نماز حرم میں پڑھنا چاہتے تھے لیکن یہاں ہم نے محسوس کیا کہ مکہ معظمہ پہنچتے پہنچتے دیر ہو جائے گی اس وجہ سے ہم نے ایک چھوٹی سی زیر تعمیر مسجد میں عشاء کی نماز پڑھی ۔ اس وقت صحرا کی فضا بڑی ہی پرسکون اور ہوا نہایت خوشگوار تھی ۔ ہم احرام کے ہلکے پھلکے لباس میں بڑی خوشی اور بڑی آزادی محسوس کر رہے تھے ۔ نماز کے بعد ہم نے بچھے والی اونچی اونچی چارپائیوں پر بیٹھ کر چائے پی ۔ اور چائے پینے کے بعد

تکبیر و تلبیہ پڑھتے ہوئے آگے کی منزل کے لیے چل پڑے۔

مکہ معظمہ کے قریب ڈرائیور نے ایک بار پھر ہاتھ پاؤں پھیلائے کہ ہم کچھ دینے پر راضی ہوں لیکن حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب نے اس کو ڈانٹ پلائی کہ اگر تم راستے ہی میں رات گزارنا چاہتے ہو تو شوق سے گزارو لیکن ہم تمہیں اب دینے دلانے کے کچھ بھی نہیں۔ حکیم صاحب کے اس رویہ نے اس کو مایوس کردیا اور وہ تھوڑی دیر تک لعین کے ساتھ جھگڑا کرنے کے بعد آگے کے لیے چل پڑا۔

مکہ معظمہ میں داخلہ راستہ بھر ہماری زبانیں تو تکبیر و تلبیہ اور ذکر و دعا میں مشغول رہیں لیکن ہماری نگاہیں عہد امین کے آثار و عمارات کی تلاش میں رہیں۔ راستہ میں جہاں کہیں شبہ ہوجاتا کہ سرزمین پاک کی کوئی عمارت آگئی ہے تو ہماری لبیک لبیک کی صدائیں زیادہ بلند ہوجاتیں۔ بالآخر پولیس کی چوکی آئی اور اس سے ہمیں یقین ہوگیا کہ اب ہم دنیا کے سب سے زیادہ مبارک شہر میں داخل ہوچکے ہیں۔ اس وقت سے برابر دل کے ریشہ ریشہ سے دعا نکلتی رہی کہ رب کریم اس شہر کی رحمتوں اور برکتوں میں سے ہمیں بھرپور حصہ دے اور اس میں ہمارا داخل ہونا اور اس سے ہمارا نکلنا دونوں اس کی رضا کے مطابق ہو۔ راستہ میں جو عمارات آئیں ان میں سے جو نئے طرز پر بنی ہوئی ہوتیں ان سے تو مجھے کوئی خاص دلچسپی نہ ہوتی لیکن پرانے طرز کا کوئی مکان اگر نظر آجاتا تو میرا دل چاہتا کہ میں یہاں تھوڑی دیر کے لیے کھڑا ہوجاؤں تاکہ میں اس کو غور سے دیکھ سکوں۔ ممکن ہے اس کے کسی پتھر پر اس عہد کہن کا کوئی نقش موجود ہو جس کی یاد اور جس کی محبت ہمیں یہاں کشاں کشاں لائی ہے۔

اسی ذکر و فکر میں منہمک بعض کشادہ سڑکوں اور بعض تنگ راستوں سے گزرتے رہے۔ ہمارا خیال تھا کہ بس ہمیں کسی اڈے پر اتارے گی اور وہاں سے ہمیں اپنے معلم کے مکان تک پہنچنے کے لیے خود کوئی انتظام کرنا پڑے گا لیکن جن جن معلموں کے حاجی ہماری بس میں سوار تھے ان کے آدمی پہلے ہی سے بس میں سوار ہوگئے اور انھوں نے اپنے اپنے آدمیوں کو اپنے اپنے ڈیروں پر اتارنا شروع کیا۔ اس سے ہمیں اندازہ ہوا کہ بس ہمیں بھی ہمارے معلم کے مکان پر اتارے گی۔ اس بات سے ہمیں بڑی خوشی ہوئی۔ اس انتظام نے رات میں معلم کے مکان کی تلاش کی زحمت سے ہمیں بچا لیا ورنہ ہمیں اپنے سارے سامان کے ساتھ معلم کے مکان کی تلاش میں بہت خراب ہونا پڑتا۔ حجاج کے لیے یہی وہ چند آسانیاں ہیں جن سے اس زائد کرایہ کی کچھ تلافی ہوجاتی ہے جو عام مسافروں کے مقابلہ میں حجاج سے وصول کیا جاتا ہے۔

ہم جس وقت اپنے معلم کے دروازے پر پہنچے ان کے دونوں صاحبزادوں اور ان کے آدمیوں نے ہمارا خیر مقدم کیا، فوراً ہمارا سامان اتارا اور اپنے مکان میں لے گئے۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ معلمی کا نظام اپنی تمام خرابیوں کے باوجود حجاج کے لیے

بہت سی سہولتیں بھی فراہم کرتا ہے۔ یہ نظام نہ ہوتا تو ہم ایک بالکل اجنبی جگہ میں اس وقت کتنی مشکلوں میں گرفتار ہوتے۔

عمرہ ہم نے آتے ہی معلم صاحب کے صاحبزادے سے جو ایک مہذب اور تعلیم یافتہ نوجوان ہیں، کہا کہ ہم بلا تاخیر عمرہ سے فارغ ہونا چاہتے ہیں۔ انھوں نے فوراً اپنا ایک آدمی ہمارے ساتھ کردیا اور ہم اس کی رہنمائی میں حرم کی طرف روانہ ہوئے۔ ہمارے وقت سے کوئی رات کے دو بجے کا وقت ہوگا۔ معلم صاحب کا آدمی غالباً بستر سے اٹھا کر اس خدمت کے لیے لایا گیا ہوگا۔ اس وجہ سے اس کو جمائیاں آرہی تھیں۔ یوں بھی وہ بیچارہ اس کام کے لیے مجھے کچھ غیر ثقہ سا معلوم ہوا۔ وہ رٹی ہوئی دعائیں بلند آواز سے پڑھتا ہوا بلکہ ہمیں پڑھاتا ہوا آگے آگے چلا اور ہم ان دعاؤں کو دہراتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے چلے۔ وہ غریب دعائیں بھی غلط پڑھتا تھا۔ اس وجہ سے مجھے ناگواری کا احساس ہوا اور اس ناگواری نے اس کیفیت میں بڑا خلل پیدا کردیا جو اس خاص وقت اور اس حالت میں عین حرم کے دروازوں پر ہم محسوس کر رہے تھے لیکن ہم ابھی نووارد تھے اور تمام راستوں اور مقامات سے ناواقف، اس وجہ سے ناگواری کے باوجود اسی رہنمائی میں ہمیں تمام مناسک ادا کرنے تھے۔ ہم نے دل میں خیال کیا کہ ایک مرتبہ کے بعد ہم ہر چیز سے خود واقف ہوجائیں گے، پھر ہمیں ان معلم حضرات اور ان کے ان شاگردوں کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ چنانچہ اس دن کے بعد پھر ہمیں اس طرح کے کسی کام کے لیے ان حضرات میں سے کسی کا ممنونِ احسان ہونا نہیں پڑا۔

ہم باب ابراہیم کے پاس سے اس سڑک سے ہوتے ہوئے جو قدیم حرم اور جدید حرم کے درمیان سے گزرتی ہے، باب السلام پہنچے اور اس سے مسنون دعا پڑھتے ہوئے حرم میں داخل ہوئے جس وقت بیت اللہ کے دیدار سے آنکھیں روشن ہوئی ہیں اس وقت میرے دل کی جو کیفیت ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔ مجھ پر خانہ کعبہ کی عظمت کا ایسا رعب طاری ہوا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے پاؤں بے حرکت ہو رہے ہیں اور میں لڑکھڑا کے گر پڑوں گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے سنبھال لیا۔ پھر جتنے ہی قریب ہوتا گیا یہ دہشت انس اور محبت سے تبدیل ہوتی گئی۔ بیت اللہ کے دروازے کے پاس پہنچتے پہنچتے دل اگرچہ بہت بڑی حد تک مطمئن ہوگیا لیکن پھر بھی میں اس وقت بہت سی پڑھی اور سیکھی ہوئی چیزوں کو مستحضر کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ اس وجہ سے اس وقت وہی رہنما غنیمت معلوم ہوا جو نیم بیداری اور نیم خواب کی حالت میں ہماری رہنمائی کر رہا تھا۔

جس وقت ہم طواف کے ارادے سے مطاف میں داخل ہوئے ہیں طواف کرنے والوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں تھی اس وجہ سے بڑی آسانی کے ساتھ ہمیں حجر اسود کے پاس پہنچنے اور اس کو بوسہ دینے کا موقع مل گیا۔ پولیس کا جو آدمی ڈیوٹی پر تھا اس نے بھی ہمارے احرام کے کپڑوں سے معلوم کرلیا کہ ہم نووارد ہیں اس وجہ سے اس نے ہمارے ذوق و شوق کا

کچھ لحاظ کیا اور اپنے امکان کے حد تک ہمارے لیے سہولت بہم پہنچائی۔ میری بیوی کو بھی بڑے اطمینان سے حجرِ اسود پر حاضری کا موقع مل گیا۔ اس پہلی کامیابی سے بڑی خوشی اور بڑی حوصلہ افزائی ہوئی۔

حجرِ اسود کو یمین اللہ (اللہ تعالیٰ کا ہاتھ) کہا گیا ہے اور یہ بوسہ دینا یا ہاتھ لگانا یا اشارہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے عہدِ بندگی کی تجدید ہے۔ حجرِ اسود کی طرف مسنون دعا پڑھتے ہوئے جب میں بڑھا ہوں اور مجھے یہ خیال آیا کہ اللہ اکبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے لے کر اب تک کیسے کیسے لوگوں نے اس پتھر کے سامنے تجدیدِ بیعت کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت کے عہد میں شامل ہوئے ہیں۔ اور پھر میں نے یہ دیکھا کہ آج یہ سعادت مجھ جیسے گنہگار کو بھی حاصل ہو رہی ہے تو میرے دل کو جو خوشی حاصل ہوئی اس قسم کی خوشی کا مجھے یہ بالکل پہلا تجربہ تھا۔ طواف کے تمام پھیروں میں یہ خوشی مجھ پر طاری رہی اور اس دوران میں جتنی دعائیں میں نے پڑھیں یا مجھے پڑھائی گئیں ان کا لفظ لفظ صرف زبان سے نہیں بلکہ معلوم ہوتا تھا کہ دل سے نکل رہا ہے۔

طواف سے فارغ ہونے کے بعد ہم میں سے ہر ایک کو مقام ابراہیم میں دو دو رکعتیں ادا کرنے کا بھی بغیر کسی مزاحمت کے موقع مل گیا۔ میری اہلیہ کو بھی بالکل اس کے پاس ہی جگہ مل گئی۔ وہاں سے فارغ ہو کر ہم زمزم کے پاس پہنچے۔ وہاں بھی ہجوم نہیں تھا۔ پانی پینے کے بعد چلانے والے صاحب نے پانی کا ایک پورا ڈونگا میرے سر پر ڈال دیا۔ ان کی اس دریا دلی پر دل سے دعائیں نکلیں اور زمزم سے بھیگی ہوئی احرام کی چادروں میں صرف جسم ہی نے نہیں بلکہ روح اور دل نے بھی طراوت محسوس کی۔

یہاں سے ہم صفا و مروہ کی سعی کے لیے صفا کی طرف روانہ ہوئے۔ دل اس قدر خوش تھا کہ سفر کی تکان کا احساس تو درکنار سرے سے سفر ہی کا کوئی احساس باقی نہیں رہا تھا۔ اس دوران میں اگر کسی چیز سے تھوڑی سی کلفت ہوئی ہے تو وہ دو واقعات ہے۔

ایک واقعہ تو یہ ہے کہ ایک سائل صاحب نے بخشش کا مطالبہ کیا۔ میں نے مطالبہ کا لفظ اس لیے استعمال کیا ہے کہ ان کا انداز سوال کا نہیں بلکہ مطالبے ہی کا تھا۔ پیسے میرے ساتھیوں کے پاس تھے اور وہ سب کے مطالبات پورے کرتے ہوئے آگے بڑھ چکے تھے۔ میں نے معذرت کی کہ میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ فقیر ہو۔ میں نے عرض کیا کہ اس میں کیا شبہ ہے۔ اس کے بعد انھوں نے اردو زبان میں ایک موٹی سی گالی نکالی۔ ان کی زبان سے عین حرم میں ایک نہایت مکروہ لفظ سن کر مجھے بڑی تکلیف ہوئی لیکن میں خاموشی کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ میں نے خیال کیا کہ اول تو یہ بیچارے اردو کے اس طرح کے الفاظ کے معنی و مطالب سے کہاں واقف ہوں گے کہیں سے سن رکھے ہوں گے جی میں آ گیا ہوگا کہ جب ترکش

میں ایک تیر موجود ہے تو پڑا کیوں رہے۔ استعمال کیوں نہ کر ڈالوں۔ تاہم یہ حضرات شب و روز اسی حرم میں گزارتے ہیں۔ ان کے دلوں میں اس کی وہ عظمت کہاں ہو سکتی ہے جو ان کے دلوں میں ہو سکتی ہے جو کہیں زندگی میں ایک بار مشکل سے اس کی زیارت کی سعادت حاصل کر پاتے ہیں۔

دوسرا واقعہ بھی بالکل اسی طرح کا ہے۔ چند قدم آگے بڑھے تو ایک نوجوان نے جو مصری معلوم ہوتا تھا ہمارے معلم کی نقل اتارنی شروع کر دی۔ معلوم ہوتا ہے ان دونوں میں دوستی اور بے تکلفی تھی۔ اس دوستی اور بے تکلفی کا فائدہ مصری صاحب نے یہ اٹھایا کہ معلم کے دعائیں پڑھنے کے انداز اور اس کی شانِ معلمی کا عین حرم میں مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ اور وہ بھی اس کے زیرِ ہدایت حاجیوں کے سامنے۔ معلم بیچارے نے جب دیکھا کہ اس کا سارا بھرم خطرہ میں ہے تو اس نے مصری کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ اس کے حاجی عربی جانتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ ایسی حرکت نہ کرے لیکن اس تنبیہ کے باوجود بھی مصری صاحب باز نہ آئے اور نہایت بھونڈے طریقے سے اس غریب کا مذاق اڑاتے رہے۔

یہ واقعہ بھی ہمارے لیے خاصہ تکلیف دہ رہا جو لوگ عقیدت کے جذبات کے ساتھ حج کے لیے آتے ہیں۔ جب وہ عین حرم کے اندر اہلِ حرم کے ہاتھوں حرم اور اس کے شعائر کی یہ بے حرمتی دیکھتے ہیں تو وہ سرے سے حج ہی سے بدگمان ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ اس طرح کے واقعات سے اس قسم کا تاثر لینا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ آخر شیطان کہاں نہیں ہے۔ کسی حبشی یا مصری کی جہالت سے متاثر ہو کر آدمی حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے بنائے ہوئے گھر اور اس کی برکتوں سے کیوں بدگمان ہو جائے۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ جس قسم کے لوگ معلمی کے فرائض انجام دیتے ہیں ان کو دیکھ کر دل پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ ان میں وقار، سنجیدگی اور دین داری کا ادنیٰ شائبہ بھی نہیں ہوتا بالخصوص معلموں کا شاگرد پیشہ طبقہ تو تعلیم و تربیت اور علم و اخلاق کے نقطۂ نظر سے اتنا پست ہے کہ ہر آدمی ان کا مذاق اڑانے کی جرأت کر سکتا ہے۔

ہم انہی تکلیف دہ احساسات کے ساتھ مسعیٰ میں داخل ہوئے۔ مسعیٰ کو دیکھ کر میری حیرت کی کوئی حد نہیں رہی۔ اب تک جو چیزیں نگاہ کے سامنے آئی تھیں وہ بڑی حد تک اس اندازے کے مطابق تھیں جو میں ان کے بارے میں پہلے ہی سے رکھتا تھا۔ لیکن سعی کی جگہ کے بارے میں میرے سارے اندازے سو فیصدی غلط نکلے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں عام روایت کے مطابق حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے پانی کی تلاش میں تگ و دو فرمائی ہے۔ بعض اہلِ نظر کی رائے یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرزند کی قربانی کے وقت اپنے رب کے احکام کی تعمیل میں جو سعی اور سرگرمی دکھائی ہے یہ اس کی جگہ ہے۔ ان میں سے جو بات بھی صحیح ہو بہرحال آدمی یہاں پہنچنے سے پہلے یہ توقع کرتا ہے کہ دو پہاڑیوں کے

درمیان کوئی کھردری اور ناہموار جگہ ہوگی جہاں اس کو سعی کرنی ہوگی۔ میرے ذہن میں کچھ اسی طرح کا تصور تھا اس وجہ سے میں سعی میں پہنچ کر بھی یہی سمجھتا رہا کہ سعی کوئی اور ہے۔ میں اس پرشکوہ تعمیر کو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ وہ دو وسیع عظیم الشان محرابوں پر قائم ایک دو منزلہ عمارت ہے جو اس پورے رقبہ پر چھائی ہوئی ہے جو سعی کے لیے مخصوص ہے۔ یہ عمارت اتنی مستحکم، اتنی پرشکوہ اور اتنی لمبی ہے کہ آدمی یہاں حضرت اسمٰعیل اور حضرت ہاجرہ علیہما السلام کی ہجرت و غربت کے تصور کے بجائے اس عمارت کے بنانے والوں اور اس کے بنوانے والوں کے کمالِ تعمیر اور وسائلِ تعمیر کی بھول بھلیاں میں گم ہو جاتا ہے۔ سعی کرتے وقت میرے ذہن میں بار بار یہ بات آئی کہ آخر ہم یہاں حضرت ابراہیم حضرت اسمٰعیل اور حضرت ہاجرہ اور حضرت محمد رسول اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مبارک نقوش کی تلاش میں آتے ہیں یا آرٹ اور صنعت کے یہ کمالات دیکھنے آتے ہیں؟ ایک دو پھیرے تک تو میرا ذہن کچھ اسی طرح کی الجھنوں میں رہا لیکن پھر دفعتہً میرے حافظے میں اس مقام کی عظیم الشان تاریخ جاگ اٹھی اور میں نے اس کے حاضر سے نگاہیں ہٹا کر اس کے ماضی کی طرف مرکوز کر دیں اس سے میرے دل کی کیفیت الحمد للہ بدل گئی۔

بعد میں میں نے بعض دوستوں سے اپنے اس احساس کا ذکر کیا اور ساتھ ہی ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر پڑھا ؎

میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے　　میرے لیے مٹی کا حرم اور بنا دو

انھوں نے میرے اس احساس کی تو تائید کی لیکن ساتھ ہی اس خرابئ حالت کا نقشہ کھینچا جو اس تبدیلی سے پہلے مسعیٰ کی تھی تو میں نے تسلیم کر لیا کہ اگر یہ حالات تھے تو پھر تو یہ تبدیلی ضروری تھی۔

سعی سے فارغ ہونے کے بعد ہم نے حجامت بنوانی چاہی اس کے لیے ہمارا رہنما ہمیں سعی کے پیچھے ایک سیلون میں لے گیا۔ اگرچہ یہ شب کا بالکل آخری حصہ تھا لیکن اس وقت بھی حجامت بنوانے والوں کی اتنی تعداد موجود تھی کہ ہمیں اپنی باری کے لیے کچھ دیر انتظار کرنا پڑا۔ ظاہر ہے کہ یہ حجامت بنوانے والے تمام تر وہ لوگ تھے جو اب عمرہ سے فارغ ہو رہے تھے۔

عمرہ کے سلسلہ کی آخری چیز یہ حجامت ہے۔ یہ حجامت اظہارِ بندگی اور اپنے آپ کو اللہ کے لیے نذر کر دینے کی ایک خاص نشانی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی نذر کیا جائے خاص شرط یہ تھی کہ اس کو سات مرتبہ مذبح کے سامنے پھیرا جائے اور اس کے سر پر استرہ نہ چلا ہو، صرف مذبح کے سامنے اس کا سر مونڈا جائے۔ اسلام میں بھی اسی کی یادگار موجود ہے۔ یہ بات اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ اصل قربان گاہ مروہ ہے۔ منیٰ تک اس کی وسعت تو امت کی وسعت کے اعتبار سے ہوئی ہے۔

حجامت سے متعلق امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ کے مطابق میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ عمرہ کے موقع پر

(باقی صفحہ ۵۰ پر)

محمد امین زبیری پبلشر نے اشرف پریس لاہور میں چھپوا کر دفتر میثاق ۱۱ احمد سٹریٹ، رحمان پورہ، اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔